بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَقُلۡ جَآءَ الۡحَقُّ وَزَهَقَ الۡبَاطِلُ اِنَّ الۡبَاطِلَ كَانَ زَهُوۡقًا ۝

شمارہ نمبر ۶

نومبر ۲۰۲۲ء

مجلّہ پشاور

مدیر اعلیٰ

حضرت مولانا خیر الامین قاسمی صاحب حفظہ اللہ

نائب مدیر

خادم اہلسنت طاہر گل دیوبندی

ناشر

نوجوانانِ احناف طلباءِ دیوبند پشاور

03428970409

عقیدہ ختم نبوت زندہ باد | یا اللہ مدد | عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ باد

**بفیضان**

حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ
سلطان المحققین مفکرِ اسلام حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ

مجلّہ پشاور

# راہِ ہدایت

**بیاد**

امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ
قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ
ترجمانِ مسلک دیوبند حضرت مولانا نور محمد تونسوی رحمۃ اللہ علیہ
مناظر اسلام حضرت مولانا حافظ حبیب اللہ ڈیروی رحمۃ اللہ علیہ
مناظر اسلام حضرت مولانا محمد اسماعیل محمدی رحمۃ اللہ علیہ

| شمار | فہرست مضامین | صفحہ |
|---|---|---|
| 1 | مناظرہ مسئلہ عذاب قبر کی ایک جھلک | 1 |
| 2 | حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ تعالی عنہ اور ان کا جذبہ خیر خواہی اور موجودہ حالات میں اس کی ضرورت | 5 |
| 3 | تقویۃ الایمان کی عبارت "ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا۔۔۔الخ" پر اعتراض کا جواب | 16 |
| 4 | فضائل اعمال کا عادلانہ دفاع جلد دوم (قسط:۳) | 29 |
| 5 | حضرت امام مہدی علیہ السلام اور قرآنی نظام کے متعلق فکریوں کا نظریہ (قسط:۵) | 37 |
| 6 | مولانا محمد اسماعیل سلفی غیر مقلد کی کتاب "مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم" پر طائرانہ نظر | 40 |
| 7 | تبلیغی جماعت پر سیفی حضرات کے مشہور اعتراض کا جواب | 51 |
| 8 | سجدوں کے رفع یدین کا ثبوت، رئیس محمد ندوی غیر مقلد کی زبانی (قسط:۳) | 53 |
| 9 | حضرت قاضی مظہر حسینؒ پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی "صحابیت" سے انکار کے الزام کا جواب | 59 |
| 10 | علامہ شبلی نعمانیؒ کی سیرت النبیؐ پر بنیادی مؤاخذات | 66 |
| 11 | القول المبین فی رد الحق المبین المعروف الحق المبین کے دفاع کا رد بلیغ | 74 |
| 12 | مماتی کسے کہتے ہیں؟ | 92 |
| 13 | غیر مقلد ظہور احمد ملک صاحب کا علمی تعاقب | 96 |
| 14 | فقہ غیر مقلدین قرآن و حدیث کے خلاف ہے | 106 |
| 15 | مسئلہ عذابِ قبر پر فیصلہ کن مناظرہ | 118 |
| 16 | کشف القناع کا تحقیقی جائزہ (قسط:۳) | 122 |

مولانا خیر الامین قاسمی حفظہ اللہ

# مناظرہ مسئلہ عذاب قبر کی ایک جھلک

20 ستمبر 2022ء کو پشاور کی سرزمین پر مماتیوں کے ساتھ مفتی محمد ندیم محمودی صاحب حفظہ اللہ نے ایک تاریخ ساز مناظرہ کیا جو من و عن سوشل میڈیا پر موجود ہے اور عنقریب ان شاء اللہ کتابی صورت میں بزبان اردو قارئین کرام کے ہاتھوں میں ہوگا۔ مناظرہ کے دوران مماتی مناظر کی عجز اور ہذیان بے ربط کلمات، اپنے ساتھیوں کو غصّہ، بے شمار کھانسیاں، کبھی لائٹ لگائیں عبارت نظر نہیں آتا، اگر آپ میرے ہیلپ نہیں کرتے تو اٹھتا ہوں یہ ساری جماعت کی شرم ہے۔ آپ میرے باپ بننے کی کوشش کرتے ہیں، انگلیاں رکھ کر کتاب اور حوالہ دیا کریں، خالی بوتل کی طرح کتابیں نہ دو، وغیرہ وغیرہ یہ ساری کیفیت قارین کرام سوشل میڈیا پر دیکھ چکے ہیں۔ لیکن دوران مناظرہ مماتی مناظر فداء محمد نے نیلوی شاہ صاحب کو بچانے کی خاطر حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی آب حیات کا سہارا لیا۔ اس کا تفصیلی جواب تو مفتی ندیم صاحب نے مناظرہ میں دیا ہے اور بندہ عاجز نے مناظرہ مرتب کرتے ہوئے مقدمہ میں بھی اس پر کلام کیا ہے۔ لیکن حضرت مفتی صاحب نے اہل بدعت مناظر کو کہا کہ آپ کس منہ سے حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا نام لیتے ہیں جبکہ آپ حضرات نانوتوی رحمہ اللہ کو کافر کہتے ہیں۔ جواباً مفتی فدا صاحب نے اول یہ کہا کہ ان کا معاملہ ہم اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔ اور تقیہ کرکے یہ کہا کہ ہاں آج کے دور میں اگر کوئی شخص موت کا یہ معنی کرتا ہے کہ خروج روح نہیں ہوا تو اس کو ہم کافر کہتے ہیں۔

لیکن مماتی مناظر کا یہ استدلال بوجوہ مردود ہے!

1)__ تعریفات اجتہادی ہوتے ہیں منصوصی نہیں۔ اور اجتہادیات کا منکر کافر نہیں ہوتا۔

2)__ اکابر دیوبند میں نبی کے لیے موت بصورت قبض روح حضرت نانوتوی رحمہ اللہ مانتے ہیں تو مفتی فدا صاحب کا یہ کہنا کہ اس دور کے کوئی شخص یہ تعریف کرے تو وہ کافر ہے اور حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کو ہم کافر نہیں کہتے۔ تو وجہ کیا ہے؟ کیا کفر کے لیے اشخاص کو دیکھا جاتا ہے کہ کوئی شخص بڑا ہو تو اگرچہ وہ کفریہ نظریہ رکھتا ہو اس پر بڑے

ہونے کی وجہ سے کفر کا حکم نہیں لگتا اور چھوٹے پر لگ سکتا ہے۔ وجہ فرق بیان کریں۔ اگر یہی موت کی اسی تعریف کی وجہ سے کوئی کافر بن سکتا ہے تو پھر یہ فتویٰ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ پر کیوں نہیں؟

3)__ جب کہ نیلوی شاہ صاحب نے حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کو صراحتاً نص اور اجماع کا مخالف گردانا ہے۔ چنانچہ نیلوی شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ

"حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ جمال قاسمی صفحہ 15 میں فرماتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ارواح کا اخراج نہیں ہوتا۔ کیا یہ صریح نص اور احادیث متواترہ اور اجماع کے خلاف نہیں؟

(تفسیر بے نظیر 159)

اب یہ عقدہ مماتی حل کریں کہ صریح نص اور احادیث متواترہ کے مخالف پر کیا فتویٰ لگتا ہے؟

**لطیفہ:**

حضرت مفتی محمد ندیم محمودی صاحب نے عذاب قبر پر ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب الروح سے عبارت پیش کی کہ

" الاحاديث الصحيحة المتواترة تدل على عودة الروح الى البدن وقت السوال "

(کتاب الروح 68)

کہ عذاب قبر، سوال اور جواب اعادہ روح وغیرہ کے احادیث عند المحدثین متواتر ہیں"۔

جس پر مفتی فداء صاحب نے تواتر کی تعریف پیش کی اصول حدیث کے دو تین کتب سے۔ اور کہا کہ اس تعریف کے موافق تواتر ثابت کریں۔ جب کہ محدثین نے ان مسائل کے دوران جس تواتر کا ذکر کیا ہے وہ تواتر معنوی ہے۔ اور جب اگلی ٹرن میں مفتی صاحب نے اس کو لاجواب کر دیا کہ آپ کو تواتر لفظی اور تواتر معنوی کے درمیان فرق نہیں آتا اور آئے ہو میرے ساتھ مناظرہ کرنے کے لیے پہلے آؤ میرے ساتھ مدرسہ میں اصول حدیث پڑھ

لیں۔ اس پر رعب تو پہلے سے سوار تھا لیکن اس رعب دار اور گرجدار چیلنج سے اتنا ڈر گیا کہ پھر آخر تک یہ نہیں کہا کہ تواتر ثابت کریں۔ قارئین کرام اس کیفیت کو ویڈیو میں دیکھ سکتے ہیں۔

خیر ویسے بھی مماتیوں کا حضرت نانوتوی رحمہ اللہ اور ان کی عظیم الشان کتاب آب حیات سے الرجی ہے کیونکہ مصنف اور کتاب دونوں نے مماتیت کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ آب حیات کے ساتھ ان کے بڑوں کا معاملہ کیا تھا ملاحظہ کریں۔ حافظ عبد الجبار سلفی صاحب لکھتے ہیں کہ

"شاہ صاحب (عنایت اللہ گجراتی۔ راقم) کی اس غصیلی طبیعت کی وجہ سے ایک مرتبہ گکھڑ میں مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کے ساتھ علمی بحث کے دوران جھڑپ کا موقع اس لیے آیا تھا کہ شاہ صاحب نے ماسٹر محمد حسین صاحب او ٹی ٹیچر گورنمنٹ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ گکھڑ کی گود میں المہند علی المفند زور سے پھینک دی تھی۔ یہ واقعہ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ نے خود درج فرمایا ہے اور اس کے بعد حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب جہلمی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ یہ واقعہ کشمیر کے علاقہ میں پیش آیا تھا کہ جب دوران گفتگو شاہ صاحب نے آب حیات اٹھا کر باہر پڑے ہوئے جوتوں پر پھینک ڈالی تھی"

(مظہر کرم 379 مصنفہ عبد الجبار سلفی)

نیز پہلے واقعہ یعنی المہند کے پھینکنے کا ذکر امام اہل سنت والجماعت شیخ صفدر رحمہ اللہ نے بھی تسکین الصدور 57 پر ذکر کیا ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ مماتی کہتے ہیں کہ شیخ صفدر رحمہ اللہ کبھی عنایت اللہ شاہ صاحب کے سامنے نہیں آئے ہیں جبکہ حضرت الشیخ نے خود لکھا ہے کہ

"راقم کی تقریباً آج سے تیس برس پہلے گکھڑ میں نہ صرف گفتگو ہوئی تھی بلکہ جھڑپ بھی ہوئی تھی"

(تسکین الصدور 57 مقدمہ طبع دوم)

لہذا مماتی جھوٹ میں بھی نمبرون اور بد تہذیبی میں بھی نمبرون۔

یہ تو عنایت اللہ شاہ صاحب کی آب حیات کے ساتھ معاملہ تھا مشہور مثال ہے بڑے میاں تو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ۔ عنایت اللہ شاہ صاحب نے آب حیات کو پھینک دیا تھا تو چھوٹے میاں یعنی نیلوی شاہ صاحب نے حضرت نانوتوی رحمہ اللہ پر کفر کی مشین چلائی۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ

"حضرت نانوتویؒ آیا اسی متعارف معنی کی رو سے موت نبی کے قائل ہیں یا موت کے کوئی اور معنی لے رہے ہیں یعنی استتار حیات، اس معنی کو لے کر موت کا انکار نہیں ہو سکتا تو خاتم الانبیاء کی بھی قادیانی تفسیر اختیار کر کے ختم نبوت کا انکار نہیں ہو سکتا، العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ۔ اب صاحب تسکین کا یہ رویہ اختیار کرنا کہ موت کے وہی معنی جو علماء نے کیے ہیں لکھ کر یہ کہہ دینا کہ حضرت نانوتوی رح بھی موت کے قائل ہیں سخت دھوکہ ہے۔ جس سے عوام یہ نتیجہ اخذ کریں گے کہ حضرت نانوتویؒ کا یہی عقیدہ ہے جو صاحب تسکین کا، جیسے کوئی مسلمان خاتم النبیین کے صحیح معنی بیان کرنے کے بعد کہہ دے کہ مرزائی بھی ختم نبوت کے قایل ہیں مگر اس مسلمان کا یہ قول صریح اس کی دھوکہ دہی ہے۔ کیا اس قول میں اور صاحب تسکین کے قول میں کوئی فرق ہے؟

(ندا ءحق 575/1)

اس عبارت میں نیلوی صاحب نے حضرت نانوتویؒ کا موت والا معنی یعنی استتار حیات کو موت کا انکار کہا ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ نبی کے موت کے منکر تو کافر ہے تو حضرت نانوتویؒ مسلمان کہاں رہا؟ یہ وہی عبارت ہے جس کی بنیاد پر مفتی محمد ندیم صاحب نے دوران مناظرہ مماتی کو کہا کہ آپ حضرت نانوتویؒ کا نام کس منہ سے لے رہیں جبکہ آپ کے بڑے تو ان کو کافر کہتے ہیں۔ اور اس ظالم نے تو اولاً کہہ دیا کہ اس کا معاملہ ہم اللہ کے سپرد کرتے ہیں اور پھر تقیہ کر کے کہا کہ آج کے دور میں اگر کوئی یہ معنی لیتے ہیں تو ہم اس کو کافر کہتے ہیں۔

بہر حال یہ تو مناظرہ کی ایک جھلک آپ حضرات کے سامنے رکھ دی ہے باقی پورا مناظرہ تحریری شکل میں اردو زبان میں بہت جلد آنے والا ہے کمپوزنگ بھی اختتام کے قریب ہے۔ دوست واحباب مرکز امام اعظم ابو حنیفہ پشاور سے رابطہ رکھیں۔

مولانا عابد شہزاد حفظہ اللہ جامعہ علوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

# حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ تعالی عنہ اور ان کا جذبہ خیر خواہی اور موجودہ حالات میں اس کی ضرورت

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم جامع صفات و کمالات تھے، آپ علیہ الصلاۃ والسلام میں ہر صفت بدرجہ اتم پائی جاتی تھی، منجملہ صفات میں سے ایک صفت خیر خواہی بھی ہے، یہ صفت بھی آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں اکمل واتم درجہ میں موجود تھی، آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی مختلف صفات کا عکس مختلف صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں نظر آتا ہے، چنانچہ کسی میں آپ کی صفت جمال کا پرتو، تو کسی میں صفت جلال کا عکس، کسی میں صفت عفت وحیا کا، تو کسی میں شجاعت و بہادری کا غلبہ نظر آتا ہے، اسی طرح کسی میں آپ کی صفت صبر و قناعت کا، تو کسی میں جذبہ خیر خواہی کا عکس اور غلبہ نظر آتا ہے۔

ان میں سے ایک حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ بھی ہیں، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے ان سے ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی پر بیعت لی تھی، انہوں نے اس بیعت کی اس قدر پاسداری کی کہ جذبہ خیر خواہی ان کی طبیعت کا حصہ بن گئی، اگر یہ کہا جائے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی صفت جذبہ خیر خواہی کا غلبہ اور عکس مجسم طور پر کسی میں دیکھنا ہو تو ان کی زندگی کو دیکھ لیا جائے، خیر خواہی والا جذبہ اور اس کا استحضار ان کی حیات کے مختلف پہلوؤں میں نظر آتا ہے۔

## مختصر حالات زندگی:

ان کا پورا نام ابو عبد اللہ جریر بن عبد اللہ بن جابر بن مالک بن نضر بن ثعلبہ **بجلی احمسی** [1] ہے، وہ یمن کے شاہی خاندان **قبیلہ بجیلہ** سے تعلق رکھتے تھے، سن 10 ہجری کو نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

آپ رضی اللہ عنہ بہت حسین و جمیل تھے، دراز قد تھے، کہا جاتا ہے کہ ان کا قد مبارک چھ ذراع اور ان کے نعلین کا طول ایک ذراع تھا [۲]، داڑھی مبارک پر زعفران کا خضاب لگایا کرتے تھے [۳]، ان کے حسن وجمال

کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو «يوسف هذه الأمّة» [۴] (اس امت کا یوسف) کالقب عنایت فرمایا۔

آپ رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ انتہائی عجیب اور دلچسپ ہے، جس وقت یہ تشریف لائے، نبی کریم ﷺ خطبہ ارشاد فرمارہے تھے، آپ نے دوران خطبہ ان کے آنے کی خوشخبری سناتے ہوئے فرمایا کہ ابھی تمہارے پاس اس دروازے سے یمن کا ایک شخص آئے گا، اس کے چہرے پر بادشاہت کے آثار ہوں گے۔ اسی خطبہ کے دوران آپ مجلس کے مکمل آداب کالحاظ رکھتے ہوئے خدمت میں حاضر ہوئے، آپ رضی اللہ عنہ کو قرائن و آثار سے محسوس ہوا کہ شاید آپ علیہ الصلاۃ والسلام ان کے بارے میں گفتگو فرمارہے ہیں، چنانچہ اس کی تصدیق کے لیے ساتھ بیٹھے ہوئے صحابی رضی اللہ عنہ سے پوچھا، تو صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ ابھی آپ کے پاس یمن کا ایک باشندہ آئے گا، اس کے چہرے پر بادشاہت کے آثار ہوں گے۔ [۵]

آپ رضی اللہ عنہ اگرچہ تاخیر سے اسلام قبول کرنے والوں میں سے ہیں، لیکن اس کے باوجود آپ سے تقریباً سو روایات مروی ہیں، [۶] جبکہ علامہ نووی رحمہ اللہ تعالی سے منقول ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ سے دو سو روایات مروی ہیں، آپ رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبد اللہ، منذر، ابراہیم اور آپ کے پوتے ابو زرعہ ہرم آپ سے روایت کرتے ہیں، آپ رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں قیام کیا، مشاجرات صحابہ کے زمانہ میں کوفہ سے قرقیسا چلے گئے، اور وہیں سن ۵۱ ہجری میں انتقال ہوا۔

## مجلس نبوی میں آپ رضی اللہ عنہ کا اکرام:

ایک مرتبہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوئے، تو ازدحام اور رش کی وجہ سے دروازے پر کھڑے ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں بائیں دیکھا، جب کہیں بھی جگہ نظر نہ آئی تو ان کو اپنی رداء مبارک عنایت فرما کر اس پر بیٹھنے کا فرمایا، اور ارشاد فرمایا: «إذا أتاكم كريم قوم فأكرموه»، (جب تمہارے پاس کسی قوم کا معزز شخص آئے تو اس کا اکرام کرو)۔

آپ رضی اللہ عنہ نے چادر مبارک کو اپنے جسم سے لگایا، بوسہ لیا اور یہ کہہ کر واپس لوٹادی، «أكرمك الله يا

رسول الله كما أكرمتني » (اللہ تعالیٰ آپ کا بھی ایسا ہی اکرام کرے جیسا کہ آپ نے میرا اکرام کیا)۔[۷]

جب بھی آپ رضی اللہ عنہ خدمت اقدس میں حاضر ہوتے تو آپ علیہ الصلوۃ و السلام ان کو دیکھ کر مسکرا دیتے تھے۔[۸]

## آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانہ میں ان کی ذمہ داریاں:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی، جس شخص میں جس چیز کی اہلیت دیکھتے، وہ کام اس کو سونپ دیتے، یہی طرز عمل خلفاء راشدین میں بھی آپ علیہ الصلوۃ والسلام کی صحبت کی برکت سے موجود تھا، اور اس کے نمونے بکثرت کتب سیر و تاریخ میں ملتے ہیں، چونکہ آپ رضی اللہ عنہ میں بادشاہت، امارت، فہم و فراست کے آثار طبعی طور پر موجود تھے، اس لیے ان کے ذوق ومزاج کا لحاظ رکھتے ہوئے آپ علیہ الصلاۃ والسلام اور خلفاء راشدین نے ایسے ہی کام ان کے سپرد کیے۔

## حجۃ الوداع اور آپ رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری:

حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ بے مثال حسن و جمال کے ساتھ ساتھ دراز قد کے بھی مالک تھے، چنانچہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے لوگوں کو خاموش کرانے کا کام ان کے سپرد کیا۔[۹]

## آپ رضی اللہ عنہ اور یمن کا کعبہ:

زمانہ جاہلیت میں عرب کے مختلف قبائل نے کعبۃ اللہ کی طرح مختلف عبادت خانے قائم کر رکھے تھے، وہ ان کی ایسے ہی تعظیم کرتے تھے جیسا کہ بیت اللہ کی تعظیم کی جاتی تھی، اسی طرح وہ اس کا طواف بھی کرتے اور اس پر نذرانے بھی پیش کرتے تھے، چنانچہ یمن کے تین قبائل دوس، خثعم اور **بجیلہ** نے بھی کعبۃ اللہ کے مقابلے میں ایک کمرہ تعمیر کروایا جس میں انہوں نے بت رکھے، تاکہ لوگ ان کی عبادت کریں، اس کا طواف کریں، جس کو **ذوالخلصہ** اور کعبہ یمانیہ کہا جاتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کا یہ عمل ناگوار گزرتا تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ کو قبیلہ احمس کے ڈیڑھ سو

شہسواروں کا امیر بنا کر اسے گرانے کے لیے بھیجا، اس موقع پر انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سامنے گھوڑے پر جم کر نہ بیٹھ سکنے کی شکایت کی، نبی کریم ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا، اور یہ دعا دی، «اَللّٰھُم ثبته واجعله هاديا مهديا»۔(۱۰)

حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اس کے بعد گھوڑے سے کبھی نہیں لڑکھڑایا۔

آپ رضی اللہ عنہ نے جا کر اسے گرا دیا اور پھر آگ لگا دی، بعد ازاں انہوں نے آپ علیہ الصلاۃ والسلام کو خوشخبری دینے کے لیے قبیلہ احمس کے ایک آدمی کو روانہ کیا، جب وہ آدمی آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس آیا، تو اس نے کہا: یارسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے، میں اس کو خارشی اونٹ کی طرح چھوڑ کر آیا ہوں، اس پر آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے پانچ مرتبہ قبیلہ احمس کے شہسواروں اور پیادہ لوگوں کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔(۱۱)

## اسود عنسی کا قتل اور آپ رضی اللہ عنہ کا کردار:

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اسود عنسی کذاب کو قتل کرنے کے لیے **ذوالکلاع الحمیری** اور **ذو ظُلیم حوشب بن طخية** سے تعاون کرنے کا پیغام دے کر حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا، یہ دونوں اپنے اپنے قبیلہ کے سردار تھے۔ چنانچہ ان دونوں سرداروں نے آپ علیہ الصلوۃ والسلام کے پیغام کو سرِ تسلیم خم کیا۔(۱۲)

## حضرت جریر رضی اللہ تعالی عنہ کی ذمہ داریاں خلفائے راشدین کے دور میں:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں نجران کا عامل مقرر کیا،(۱۳) عہد فاروقی میں قادسیہ کی جنگ میں شریک ہوئے،(۱۴) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے زمانہ خلافت میں ہمذان کا عامل مقرر کیا،(۱۵) اور عہد عثمانی ہی میں آپ رضی اللہ عنہ نے آرمینیہ کو فتح کیا،(۱۶) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو اپنا نائب بنا کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت لینے کے لیے بھیجا تھا۔(۱۷)

### حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی خیر خواہی پر بیعت:

جب حضرت جریر رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے ان سے "ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرنے" پر بیعت لی، چنانچہ خود فرماتے ہیں:

«بَايَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى النُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ»[۱۸].

### اپنے اصحاب کے ساتھ آپ رضی اللہ عنہ کا جذبہ خیر خواہی:

50 ہجری میں جب حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ عہدِ خیر خواہی کی پاسداری کا لحاظ کرتے ہوئے کھڑے ہوئے، اور لوگوں میں مختصر خطبہ دیتے ہوئے حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

میں تم کو اللہ وحدہ لاشریک کے ڈر کی وصیت کرتا ہوں، جب تک کوئی دوسرا امیر تمہارے پاس نہیں آجاتا اس وقت تک وقار اور سکینت کو لازم پکڑو، دوسرا امیر تمہارے پاس آ ہی رہا ہوگا، اور اپنے سابقہ امیر (حضرت مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ) کے لیے عفو و درگزر طلب کرو؛ کیونکہ وہ عفو کو پسند کرتے تھے، پھر فرمایا:

«فإني أتيتُ رسول الله -صلى الله عليه وسلم- ، فقلت: أُبايعك على الإسلام، فشرط عَلَيّ : والنُّصْحَ لكل مسلم، فبايعته على هذا، ورَبِّ هذا المسجد، إني لكم لنَاصح، ثم استغفر ونزل»[۱۹].

یعنی یہ بات میں اس لیے کر رہا ہوں؛ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مجھ سے "ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی" پر بیعت لی تھی، اور میں تمہارے حق میں خیر خواہ ہوں، پھر اپنے امیر کے لیے استغفار کیا اور نیچے اتر آئے۔

اس واقعہ میں اپنے اصحاب کے ساتھ خیر خواہی کر کے اس طرح انہوں نے اپنے اس عہد کو پورا کیا۔

### اپنے امیر کے ساتھ آپ رضی اللہ عنہ کا جذبہ خیر خواہی:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں شروع شروع میں کوفہ کا گورنر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ اہل کوفہ کو ان کے متعلق کچھ بے ساختہ اعتراضات تھے، جن کی شکایت انہوں نے حضرت

عمر رضی اللہ عنہ سے کی۔

چنانچہ جب حضرت جریر رضی اللہ عنہ کوفہ سے مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے متعلق حالات دریافت کرتے ہوئے پوچھا: آپ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو کیسا پایا؟

حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے بڑی فصاحت و بلاغت کے ساتھ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے حق میں تعریفی کلمات کہے، جو درحقیقت اپنے امیر کے ساتھ ان کے جذبہ خیر خواہی کو واضح کر رہے ہیں:

«تركتُهُ أكرَمَ النَّاس مَقدرَةً، وَأقلَّهُمْ فَترَةً، وَهُوَ لهُمْ كالأمِّ البَرَّةِ تجمَعُ كمَا تجمَعُ الذَّرَة، مَعَ أنَّهُ مَيمُونُ الطَّائِرِ مَرْزُوقُ الظَفَرِ، أشَدُّ النَّاس عِنْدَ البَأس، وَأحَبُّ قُرَيْشٍ إلى النَّاس، قالَ: فَأخْبِرْني عَنِ النَّاس، قالَ: هُمْ كسِهَامِ الجَعْبَةِ، مِنهَا القائِمُ الرَّائِشُ، وَمِنهَا العُصْلُ الطَّائِشُ، وَابْنُ أبِي وَقَّاص ثِقافُهَا يَغمِدُ عُصْلَهَا وَيُقِيمُ مَيْلَهَا، وَاللهُ أعْلمُ بِالسَّرَائِرِ يَا عُمَرُ». (۲۰)

جس کا حاصل یہ ہے: میں نے ان کو لوگوں میں سے سب سے زیادہ قدر و منزلت والا، نیک بخت، جنگ کے وقت لوگوں میں سب سے زیادہ سخت، قریش میں سب سے زیادہ محبوب پایا ہے، آپ لوگوں کے لیے اس جنگلی ماں کی طرح ہیں جو اپنے بچوں کو ایسے جمع کرتی ہے جیسا کہ مکئی اپنے دانوں کو جمع کیے ہوتی ہے۔

## معاملات میں آپ رضی اللہ عنہ کا جذبہ خیر خواہی:

ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک غلام کو گھوڑا خرید کر لانے کا کہا، اس نے تین سو درہم میں گھوڑا خرید لیا، جب انہوں نے گھوڑے کو دیکھا تو ان کو وہ پسند آ گیا، اور اس میں موجود اوصاف کے مقابلے میں اس کی جتنی قیمت ہونی چاہیے تھی غلام نے بہت کم قیمت پر اس کو خرید لیا تھا، چنانچہ انہوں نے مالک کو واپس بلا کر فرمایا: آپ کا گھوڑا تین سو درہم سے زیادہ قیمت کا ہے اور پھر مسلسل سو سو درہم کا اضافہ کرتے رہے، بالآخر آٹھ سو درہم میں اس کو خرید لیا۔

جب بائع چلا گیا تو اپنے غلام کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: میں نے یہ اس لیے کیا؛ کیونکہ میں نے حضور نبی

اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ہاتھ پر ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرنے کی بیعت کی تھی۔[۲۱]

اسی طرح جب کوئی سامان فروخت کرتے تو اس کے خریدار کو اس چیز کے تمام عیوبات سے مطلع کرنے کے بعد فرماتے: اب تمہیں اختیار ہے، چاہو تو لے لو یا چھوڑ دو۔

بعض لوگ ان کے اس طرز عمل کو دیکھ کر کہتے: اس طرح تو کوئی بھی آپ کے اس سامان کو نہیں خریدے گا، (آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی سنت اور آپ سے کیا ہوا عہد جو ان کی طبیعت کا حصہ بن چکا تھا، اور جس کا استحضار ہر وقت رہتا تھا)، لوگوں کی بات سن کر فرماتے: میں نے ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی پر بیعت کی ہے۔ (چاہے اس میں مجھے نقصان ہی ہو، پھر بھی لوگوں کے ساتھ ایسا معاملہ ہی کروں گا)۔[۲۲]

ان واقعات کی رو سے معلوم ہوا کہ انسان کو خود غرض ہونے کی بجائے اپنے مسلمان بھائی کے حق میں خیر خواہ ہونا چاہیے، کسی کے بھولے پن، ناواقفیت یا مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دھوکہ دہی پر نہیں اترنا چاہیے بلکہ صاحب شریعت علیہ الصلاۃ والسلام اور ان کی صحبت یافتہ جماعت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیوں کے لازمی اور بنیادی وصف خیر خواہی کو بھی مد نظر رکھنا چاہیے۔

## موجودہ حالات میں خیر خواہی کی صورتیں:

موجودہ حالات میں جب کہ ملک پاکستان کا تقریبا دو تہائی حصہ سیلاب کی زد میں ہے، نہ صرف پاکستان بلکہ دیگر ممالک بھی اس قدرتی آفت کا شکار ہیں، جس کے نتیجے میں لوگ بھوک و افلاس میں مبتلا ہیں، اپنے گھروں سے بے گھر ہو گئے ہیں، روزگار سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں، ان کی فصلیں اور جمع پونجی تباہ ہو چکی ہے، کھانے کے لیے کوئی چیز نہیں، پینے کے لیے صاف پانی نہیں، پہننے کے لیے کپڑے نہیں، ان علاقوں میں بیماریاں وباء کی صورت اختیار کر گئیں ہیں، ان کے علاج و معالجہ کی ممکنہ صورتیں تقریبا نہ ہونے کے برابر ہیں، بخار کے علاوہ نت نئی بیماریاں عام ہو رہی ہیں، ادھیڑ عمر، نوجوان، بالغ و نابالغ مرد و عورت حتی کہ نوزائدہ بچے تک اس صورتحال سے متاثر ہیں، یہیں تک بس نہیں بلکہ بے زبان جانور بھی ان سنگین حالات سے دوچار ہیں، ان کا کوئی پرسان حال نہیں، چارہ نہ ملنے کی وجہ سے وہ نہ صرف لاغر اور کمزور ہو گئے ہیں بلکہ بے شمار جانور اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں، متاثرین ان چند مصائب کے علاوہ بہت سے آلام و مصائب کی لپیٹ میں ہیں۔

اس صورتحال کے پیش نظر انسانیت کی مجموعی طور پر یہ ذمہ داری ہے کہ ان متاثرین کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کریں، اس کی مختلف صورتیں ہیں۔

## حکومت کی طرف سے خیر خواہی کی صورتیں:

ان حالات میں حکومت کی طرف سے خیر خواہی کی صورتیں یہ ہیں کہ اولا ان علاقوں میں موجود پانی کے نکالنے اور خشک کرنے کا انتظام کیا جائے، ان کی مال وجان اور عزت وآبرو کی حفاظت کی جائے، اور ان کے لیے قومی خزانے سے وظائف مقرر کیے جائیں، ان سے ہر قسم کے ٹیکس معاف کیے جائیں، ان کے علاج وَ معالجہ کے لیے مفت معیاری طبی کیمپ اور ان کی نئی نسل کی ترقی کے لیے تعلیمی ادارے قائم کیے جائیں، ان کو روز گار کے مواقع فراہم کیے جائیں، اور سب سے بڑھ کر اس کے قدرتی آفت ہونے کے ساتھ ساتھ حکومتی انتظامی کمزوریوں پر بھی غور وفکر کیا جائے، پانی کی کثرت سے فائدہ اٹھانے کے لیے ڈیم تعمیر کروائے جائیں، اور اس کے ساتھ ساتھ نہروں اور دریاؤں کے نظام کو منظم بنایا جائے۔

## تاجروں کی طرف سے خیر خواہی کی صورتیں:

ان نازک حالات میں ہمارے تاجر حضرات کی طرف سے خیر خواہی بڑی اہمیت رکھتی ہے، جیسا کہ وہ کسی حد تک اپنے اس جذبہ خیر خواہی کا اظہار کھانے پینے اور ضروریات زندگی کی اشیاء اور مالی امداد کی صورت میں کر رہے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ مزید خیر خواہی کی صورتیں بھی ہیں، جن کو آج کل صرف نظر کیا جارہا ہے، حالانکہ وہ صورتیں بہت اہمیت کی حامل ہیں۔

وہ یہ ہیں کہ اشیاء خوردہ اور ضروریات زندگی کی چیزوں کو مناسب قیمت پر فروخت کیا جائے، اور ان کی ذخیرہ اندوزی سے بچا جائے، تاکہ مناسب داموں اور وافر مقدار میں اشیاء ضرورت ان تک با آسانی پہنچ سکیں، خیر خواہی کا سب سے اہم پہلو یہ بھی ہے کہ ان متاثرین کی زمینیں، جانور، اور دیگر اشیاء کو ان کی مجبوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے انتہائی سستے داموں میں نہ خریدا جائے بلکہ ان کے ساتھ ان کی اصل قیمت پر معاملہ کیا جائے۔

## علماء کی طرف سے خیر خواہی کی صورتیں:

ان سنگین حالات میں جب کہ لوگ بھوک و افلاس اور طرح طرح کے مصائب کا شکار ہیں، ان حالات کے انجام کو دیکھتے ہوئے علماء کی طرف سے خیر خواہی کا میدان سب سے اہم ہے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ علماء کی ذمہ داریوں میں یہ شامل ہے کہ ان متاثرین کے ایمان کی فکر کریں، تاکہ عیسائی، قادیانی اور دیگر لامذہب مشنریاں ان کے ایمان کو نقصان نہ پہنچا سکیں، اور حالات کے دیگر منفی نتائج لوٹ مار، قتل وغارت اور رہزنی کی وعیدات سے آگاہ کریں، ان کی مالی امداد کے ساتھ ساتھ ان کو اپنی انفرادی اور اجتماعی دعاؤں میں یاد رکھیں، ان کو صبر واستقامت کی تلقین کریں، اس کے لیے وقتاً فوقتاً بیانات اور تبلیغی جماعتوں کا سلسلہ جاری کیا جائے، اور ان کی دلجوئی کے لیے گاہے بگاہے علماء کے وفد روانہ کیے جائیں، بالخصوص ان کے بچوں کی دینی تعلیم کے لیے مکاتب قائم کیے جائیں۔

## عوام کی طرف سے خیر خواہی کی صورتیں:

عوام پر بھی ان حالات میں خیر خواہی کی ذمہ داریاں عائد ہیں، جس کی نوعیتیں مختلف ہیں، چنانچہ عوام مندرجہ ذیل صورتوں پر عمل کرکے اپنے متاثرین بھائیوں کے ساتھ خیر خواہی کر سکتی ہے، وہ یہ کہ ان کو کھانے، پینے، پہننے اور دیگر ضروریات زندگی کی اشیاء مہیا کریں، اپنی ضرورت سے زائد مکانات اور رہائش گاہوں میں ان کو جگہ دیں، ان کو صاف پانی مہیا کرنے کے لیے فلٹر اور پلانٹ لگائیں، ان کے بچوں کی تعلیم کی ذمہ داری اٹھائیں، ان کو موردِ گناہ ٹھہرانے کی بجائے ان کے حق میں دعاؤں کا اہتمام کریں۔

# حواشی وحوالہ جات

[1] ترجمته فی  معرفة الصحابة لأبی نعیم:2/591، الاستیعاب فی معرفة الأصحاب لابن عبد البر:1/236،تهذیب الکمال للمزي:4/533.

[2]معرفة الصحابة لأبي نعيم: 2/591، تحقيق:عادل بن يوسف العزازي، ط: دار الوطن-الرياض، الطبعة الأولى:1419ھ.

[3] المعارف لابن قتیبةالدینوری،ص:۲۹۲، جرير بن عبد الله البجلي رضي الله عنه، تحقيق: ثروت عكاشة، ط: الهيئة المصرية العامة للكتاب، القاهرة، الطبعةالثانية، 1992م .

[4] معرفة الصحابة لأبي نعيم: 2/591.

[5]المسندللإمام أحمد بن حنبل:31/516،من حديث جرير بن عبد الله البجلي رضي الله عنه، رقم الحديث:19180، تحقيق: شعيب الأرنؤوط وآخرون، ط: مؤسسة الرسالة، الطبعة : الثانية، 1420هـ.

[6]عمدة القاري لبدر الدين العيني:1/323، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم الدين النصيحة لله ولرسوله ولأئمة المسلمين، الناشر: دار إحياء التراث العربي – بيروت.

[7]حلية الأولياء، لأبي نعيم الأصبهاني:6/205، ط: دار الكتاب العربي – بيروت،الطبعة الرابعة ، 1405ھ .

[8] المسندللإمام أحمد بن حنبل:31/508،من حديث جرير بن عبد الله البجلی رضي الله عنه، رقم الحديث:19173، تحقيق: شعيب الأرنؤوط وآخرون، ط: مؤسسة الرسالة، الطبعة : الثانية، 1420هـ.

[9] معجم الصحابة لابن قانع:1/148، تحقيق: صلاح بن سالم المصراتی، ط: مکتبة الغرباء الأثرية، سنة النشر:1418ھ.

[10] البداية و النهاية لابن كثير:5/92، ط:دار إحياء التراث العربی، الطبعة الاولی 1408ھ.

[11]المسندللإمام أحمد بن حنبل:31/540،من حديث جرير بن عبد الله البجلي رضي الله عنه، رقم الحديث:19204.

[١٢] اسد الغابة لابن الأثير الجزري:2/208، تحقيق: عادل أحمد الرفاعي، ط: دار إحياء التراث العربي -بيروت، سنة النشر:1417 هـ.

[١٣] الكامل فى التاريخ لأبى الحسن على بن أبى الكريم الشيبانى:2/269، أسماء قضاته(إبي بكر صديق رضي الله عنه) وعماله وكتابه، تحقيق:عبد الله القاضي، ط: دار الكتب العلمية،1415ه.

[١٤] البداية والنهاية:7/50.

[١٥] تاريخ اليعقوبى لأحمد بن أبى يعقوب:2/74، أيام عثمان بن عفان(رضى الله عنه)، تحقيق: عبد الأمير مهنا، ط:شركة الأعلمي للمطبوعات-بيروت، 1431ه .

[١٦] البدء والتاريخ للمطهر بن طاهر المقدسى:5/198، مقتل يزدجرد، الناشر: مكتبة الثقافة الدينية.

[١٧] أيضا:5/217، ذكر صفين.

[١٨] مسند الشافعي، ص:233، ط: دار الكتب العلمية،1400ه .

[١٩]الجمع بين الصحيحين البخاري ومسلم للحميدي:1/195، ط:دار ابن حزم – بيروت، الطبعة الثانية 1423هـ.

[٢٠]معرفة الصحابة لأبي نعيم:1/135.

[٢١]المعجم الكبيرللطبراني:2/334، تحقيق: حمدي بن عبد المجيد السلفي، ط: مكتبة ابن تيمية – القاهرة.

[٢٢]شرح البخاري لابن بطال:1/132، تحقيق: أبو تميم ياسر بن إبراهيم، ط: مكتبة الرشد - السعودية ، 1423هـ

مفتی نجیب اللہ عمر صاحب حفظہ اللہ قسط:۲

# تقویۃ الایمان کی عبارت "ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا۔۔۔ الخ" پر اعتراض کا جواب

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم! سلسلہ عبارات کے حوالے سے حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کی عبارتوں کے حوالے سے گفتگو چل رہی تھی اور میں نے آپ حضرات کے سامنے حضرت کی چند عبارتوں پر جوابات آپکی خدمت میں عرض کئے تھے۔

آج حضرت شاہ شہید پر ایک اور الزام جو اہل بدعت کی جانب سے لگایا جاتا ہے اسکا جواب پیش کرنا ہے۔ تقویۃ الایمان میں ایک عبارت کے حوالے سے بعض اہل بدعت اعترض کرتے ہیں کہ شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے نعوذباللہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم یا انبیاء کرام علیہم السلام یا اولیاء کرام کی توہین کی ہے ان کو چوڑا چمار کہا ہے نعوذباللہ من ذلک۔ وہ جس عبارت کو پیش کرتے ہیں سب سے پہلے وہ عبارت آپ کے سامنے پیش کر کے اس حوالے سے ان کے اعتراضات کو بھی پیش کرونگا اور پھر جواب آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔

سب سے پہلے تقویت الایمان سے وہ عبارت پیش کر دیتاہوں تاکہ اصل بات آپ حضرات تک پہنچ جائے کیونکہ رضاخانیوں کی عادت ہے کہ عوام تک اصل عبارت نہیں پہنچاتے۔ پیش کرتے بھی ہیں تو عبارات میں خطرناک قسم کی بددیانتی اور خیانت کر کے سیاق وسباق سے کاٹ کر ان میں اپنی جانب سے اضافے اور کتر وَ پیوند کر کے عبارات کو انکی جانب منسوب کرتے ہیں اور یہ انکی بہت بڑی دھاندلی ہے جو وہ عقیدے کے باب میں کرتے ہیں۔

اس عبارت پر جو الزام لگتاھے وہ کس تناظر میں ہے؟ میں سیاق وسباق سے پڑھتاہوں۔

حضرت نے قرآن مجید کی ایک آیت نقل کی!

قال الله تعالى

واذ قال لقمن لأ بنه وهو يعظه يٰبنى لاتشرک باالله ان الشرک للظم عظيم۔

ترجمہ: اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے یعنی سورہ لقمان میں جب کہا لقمان نے اپنے بیٹے کو اور وہ نصیحت کرتا تھا اس کو اے میرے بیٹے میرے مت شریک بتا اللہ کا بے شک شریک بتانا اس کا بڑی بے انصافی ہے۔ (تقویۃ الایمان۔ ص25)

اس عبارت کا فائدہ لکھتے ہوئے شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ لکھتے ہیں!

یعنی اللہ صاحب نے لقمان کو عقل مندی دی تھی سو انھوں نے اس سے سمجھا کہ بے انصافی یہی ہے کہ کسی کا حق اور کسی کو پکڑا دینا اور جس نے اللہ کا حق اسکی مخلوق کو دیا تو بڑے سے بڑا حق لے کر ذلیل سے ذلیل کو دے دیا جیسے بادشاہ کا تاج ایک چمار کے سر پر رکھ دیجیئے اس سے بڑی بے انصافی کیا ہو گی اور یہ یقین جان لینا چاہیے کہ

"ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جیسے شرع کی راہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شرک سب عیبوں سے بڑا عیب ہے اور یہی حق ہے اس واسطے کہ آدمی میں بڑے سے بڑا عیب یہی کہ اپنے بڑوں کی بے ادبی کرے سو اللہ سے بڑا کوئی نہیں اور شرک اسی کی بے ادبی ہے۔

(حوالہ مذکورہ)

اس عبارت میں کسی جملے میں بھی یہ لکھا ہوا نہیں ہے کہ نبی یا ولی اللہ کے آگے چمار سے زیادہ ذلیل ہیں۔ ایسا بالکل بھی نہ تو اس عبارت سے متبادر ہوتا ہے اور نا ہی کسی عبارت میں موجود ہے۔ لیکن بریلوی جب دیکھتے ہیں کہ اہل سنت کی کسی عبارت میں ان کو اپنا مقصود نہیں حاصل ہو رہا تو پھر وہ کھینچ تان کر اس کے اندر اپنی جانب سے خانہ ساز عبارت (جسکا اصل عبارت سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں ہوتا) شامل کر دیتے ہیں اور پھر اسی الحاقی عبارت کی بنا پر فریق مخالف پر طعن و تشنیع کی گولہ باری شروع کر دیتے ہیں۔

تقویۃ الایمان کی مذکورہ بالا عبارت کا تعلق ایک فرضی بادشاہ اور ایک چمار سے تھا اور اس عبارت میں انبیاء علیہم السلام اولیاء اور دیگر بزرگان دین کا دور دور تک اس جگہ وہم گمان بھی نہیں تھا تو اہل بدعت کے سر خیلوں نے شاہ صاحب رحمہ اللہ کی عبارت نقل کرتے وقت درمیان عبارت میں قوسین (بریکٹ) لگا دیئے تاکہ انکو عوام کو بہکانے اور تکفیر کرنے میں آسانی ہو اور یوں لکھ دیا کہ

کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا (نبی ہو یا ولی)

(رسائل شارح بخاری جلد اول ص779۔ مصنفہ بریلوی مولوی مفتی شریف الحق امجدی)

اس عبارت میں مصنف مذکور نے ایک جرم تو یہ کیا ہے کہ حضرت امام الموحدین شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کی

طرف خانہ ساز الحاقی عبارت کو منسوب کیا اور پھر دوسری جانب اپنے وہم کے مطابق اولیاء کو چھوٹی مخلوق کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس نکالی ہے۔ گویا فاضل مصنف کے نزدیک اولیاء کرام چھوٹی مخلوق ہیں، توبہ نعوذ باللہ۔

بریلوی مولوی کوکب نورانی اوکاڑوی اس عبارت کو یوں لکھتا ہے کہ

بڑی مخلوق یعنی نبی اور چھوٹی مخلوق یعنی باقی سب بندے اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہیں۔ (تقویۃ الایمان۔ ص14)

(دیوبند سے بریلی ص34)

بریلوی مولوی علامہ ارشد القادری لکھتے ہیں۔

ہر مخلوق چھوٹا ہو (جیسے عام بندے) یا بڑا (جیسے انبیاء و اولیاء) اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔

(دعوت انصاف۔ 17)

فرقہ رضا خانیہ سر کے بل الٹا تو لٹک سکتا ہے لیکن یہ عبارت من وعن شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ سے نہیں دکھا سکتے۔ بلکہ اپنے اصول کے مطابق وہ اس توہین کے مرتکب خود ہیں۔ ان کو یہ بات معلوم ہے کہ اصل عبارت میں نا تو "ولی" کا لفظ موجود ہے اور نہ تو "نبی" کا لفظ موجود ہے۔ وہ کھینچ تان کر یہاں "ولی نبی" کا لفظ لے آتے ہیں۔ شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کی عبارت میں "بڑے یا چھوٹے" کا جو لفظ موجود ہے اس میں بڑے سے مراد یا چھوٹے سے مراد کیا نبی ہے یا ولی ہے؟

کیونکہ اس عبارت میں مخلوق میں بڑے سے مراد "دینی بڑائی" ہرگز نہیں کہ کسی کو اس سے انبیاء علیہم السلام کو مراد لینے کی حاجت پیش آئے۔ بلکہ عبارت میں موجود سیاق وسباق بتا رہا ہے کہ اس سے مراد دنیاوی اور عارضی "بڑائی" مراد ہے عبارت میں موجود "بادشاہ کا تاج ایک چمار کے سر پر رکھ دیجیئے" کا قرینہ اس پر شاہد ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ بریلویوں کو ہر حال میں اعتراض کر کے اپنے ماؤف دل کو تسکین دینی ہوتی ہے اور دشمنان اسلام کی خوشنودی حاصل کرنی ہوتی ہے۔ لہذا انھوں نے کسی بھی صورت میں اس کے اندر یہ اضافہ ضرور بالضرور کر کے لوگوں کو گمراہ کرنا ہوتا ہے۔

اس پر اعتراض کرتے ہوئے مولوی احمد رضا خان صاحب لکھتے ہیں کہ

بخلاف ذلیل ضلیل دھلوی اسماعیل علیہ اللوم والتذلیل کہ اس نے چوہڑے چمار سے بھی ذلیل اور ناکارے لوگ اور ذرہ ناچیز سے کم تر یہ ناپاک الفاظ صراحتاً تمام انبیاء کرام و اولیاء عظام علیہم الصلاۃ والسلام کو کہے۔

(فتاوی رضویہ جلد 15)

دیکھیں کتنا بے ہودہ طرز ہے، انداز کتنا بے ادبی والا ہے اور کتنی فحش گوئی۔ اگر یہ فحش گوئی والا انداز یا اسکا چالیسواں حصہ بھی مولوی احمد رضا کے خلاف کوئی اور استعمال کرے تو اسکے عقیدت مند کتنا آپے سے باہر ہو جائیں گے اسکا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔ فاضل بریلوی "صراحتاً" کا لفظ تو کہہ رہے ہیں لیکن ان سے کون پوچھے گا کہ ان عبارات کو قابل تاویل تو خود موصوف کے صاحبزادہ مولوی مصطفی رضا خان بھی مانتے ہیں۔ اہل بدعت تو اسی طرح دوسرے فریق پر الزام لگا کر غائب ہو جاتے ہیں تو ان سے پوچھے کون؟

مولوی احمد رضا خان ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ

"جناب اس گمراہ نے صاف صاف چوھڑے چمار سے ذلیل ناکارے لوگ ذرہ ناچیز سے کم تر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والثناء اور خود سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کہا ہے۔"

سوال یہ ہے کہ کہاں اور کس جگہ کہا ہے؟ اور انکی عبارت میں "نبی اور ولی" کا لفظ کہاں ہے؟ قیامت کی صبح تک دکھا نہیں سکتے۔ شاہ اسماعیل شہید رح کی کتاب تقویۃ الایمان بازار سے بآسانی مل جاتی ہے۔ آپ اسے خرید کر ہمیں دکھانے کی اخلاقی جرأت کر سکتے ہیں؟ من وعن یہ الفاظ دور دور تک نہیں ہیں، لیکن چونکہ عبارت کو گستاخی کا جامہ پہنانا تھا لہذا اس کے اندر اپنی طرف سے "نبی اور ولی" کا اضافہ کر دیا۔

بریلوی مولوی غلام نصیر الدین سیالوی ابن مولوی اشرف سیالوی ایک عنوان قائم کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ

"اسماعیل دہلوی کا انبیاء اولیاء کرام کو چمار سے ذلیل کہنا"

یعنی موصوف عبارت نقل کرنے سے پہلے یہ عنوان لگا کر گویا آنے والی عبارت کے متعلق ذہن سازی کر رہا ہے کہ آنے والی عبارت میں اگرچہ یہ لفظ موجود نہیں لیکن قاری "چمار سے ذلیل" پڑھنے سے پہلے ہی یہ سمجھ لے کہ یہ انبیاء اولیاء کو کہا جا رہا ہے، نعوذ باللہ۔ اور یہی چال بازی انکے والد نے مناظرہ جھنگ میں سر انجام دی تھی۔

(02)بریلوی مولوی پیر محمد چشتی لکھتے ہیں کہ۔

اسلام کے کسی دعویدار کا یہ کہنا کہ تمام مخلوق خدا کی شان آگے چوڑے چمار سے زیادہ ذلیل ہے۔لزوم کفراس لیے کہ اس سے ذوات قدسیہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی توہین مفہوم ہوتی ہے کہ تمام مخلوق میں وہ بھی شامل ہیں ہیں۔

(اصول تکفیر صفحہ 206)

اگر شاہ صاحب کی عبارت میں لفظ "ہر مخلوق" سے معنی کشید کئے جاتے ہیں کہ ہر مخلوق میں نبی ولی سب آجاتے ہیں تو اسکا ایک جواب تو پہلے بھی دے چکے ہیں۔

اور ایسی کئی الزامی طور پر خود اھل بدعت کے گھر سے پیش کی جاسکتی ہیں کہ انہوں نے اسی طرح عمومی طور پر "مخلوق" کیا کچھ نہیں کہا؟

(01)محمد عبد الاحد قادری فتوح الغیب میں لکھتے ہیں کہ

اور تمام مخلوق کو اس شخص کی طرح عاجز سمجھ جسے عظیم سلطنت والے سخت حکم والے۔ حیرت ناک۔ غلبہ اور حملہ والے بادشاہ نے گرفتار کر لیا ہو۔ لوہے کی بیڑی اور طوق اس کی گردن اور پاؤں میں ڈال دیئے گئے ہوں۔ پھر اسے ایک وسیع و عریض اور تیز بہاؤ والی نہر کے کنارے صنوبر کے درخت پر سولی لٹکا دیا گیا ہو۔ پھر بادشاہ اپنی بلند کرسی پر بیٹھے جو عام لوگوں کی رسائی سے بالا ہو۔اس کے گرد تیروں۔ کمانوں۔ نیزوں اور دیگر قسم کے ایسے ہتھیاروں کے ڈھیر لگے ہوں کہ جن کی صحیح مقدار کا علم بھی بادشاہ کے علاوہ کسی کو نہ ہو۔ایسے میں یہ بادشاہ سولی پر لٹکائے جانے والے معتوب شخص پر اپنی مرضی سے ان ہتھیاروں میں سے اٹھا اٹھا کر پھینک رہا ہو۔

(فتوح الغیب صفحہ 51)

(02)پیر نصیر الدین گولڑوی لکھتے ہیں کہ

اور کل مخلوق کو اسی طرح سمجھ کہ ایک ایسے بادشاہ نے جس کا ملک بہت بڑا حکم سخت اور رعب داب دل ہلا دینے والا ہے۔ ایک شخص کو گرفتار کر کے اس کے گلے میں طوق اور پیروں میں

کڑے ڈال کر ایک صنوبر کے درخت سے ایک نہر کے کنارے جس کی موجیں زبردست، پاٹ بہت بڑا ہے، بہت گہری اور بہاؤ بہت زوروں پر ہے، لٹکا دیا ہے اور خود ایک نفیس وبلند کری پر کہ جس تک پہنچنا مشکل ہے تشریف فرما ہے اور اس کے پہلو میں تیر وپیکان، نیزہ وکمان اور ہر طرح کے اسلحہ کا انبار ہے، جن کی مقدار خود بادشاہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اب ان میں سے جو چیز چاہتا ہے اٹھا کر اس لٹکے ہوئے قیدی پر چلاتا ہے۔

(حضرت پیران پیر کی شخصیت سیرت اور تعلیمات صفحہ۔16)

(03)مفتی ظہور احمد جلالی لکھتے ہیں کہ

ساری کی ساری خلقت کو قدرت الہی میں مقہور واسیر اور تختہ دار پر لٹکی ہوئی جانو۔

(شرح فتوح الغیب مترجم.209)

(04)حکیم سید سکندر شاہ لکھتے ہیں کہ۔

اور تمام مخلوق کو اس شخص کی طرح بے بس اور عاجز سمجھ جو ایک بڑی سلطنت والے اور ایک بڑے صاحب صولت و سطوت اور شدید الحکم سلطان کی حراست میں ہو اور اس کی گردن میں طوق پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوں اور ایک بڑی نہر مواج کے کنارے پر جس (نہر) کی موجیں تیز (اور طوفان خیز) اس کا پھیلاؤ وسیع اور جس کی گہرائی بڑی ہو اس بادشاہ نے درخت صنوبر پر اس شخص کو صلیب (پھانسی) دے دی ہو.

(کلام الطیب شرح فتوح الغیب صفحہ 42)

(05)فوائد الفواد میں ہے کہ

کسی کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک اس کے سامنے ساری خلقت اسی طرح ظاہر نہ ہو گویا وہ اونٹ کی مینگنی ہے۔

(فوائد الفواد صفحہ 269)

اور پیر نصیر الدین گولڑوی بریلوی کہتے ہیں کہ

آپ نے دیکھا علامہ حقی نے لا حد کے الفاظ لکھ کر مفہوم کو عموم پر چھوڑا اور اس طرح مخلوقات میں انبیاء و اولیاء بھی آتے ہیں۔

(لطمة الغيب صفحہ 38)

پیر محمد چشتی بریلوی اور پیر نصیر کی ان دونوں عبارتوں کو سامنے رکھا جائے تو شاہ شہید کی عبارت میں لفظ مخلوق پر اعتراض بن سکتا ہے تو کیا ان عبارات پر اعتراض نہیں بنتا؟
لیکن پیر نصیر گولڑوی کی یہ عبارت پڑھنے کے بعد آپ حیران ہونگے کہ ہماری عبارات میں "مخلوق" کا لفظ دیکھ کر اس پر گستاخی کا حکم لگانے والے رضاخانیوں کو جب مندرجہ بالا فوائد الفواد کی عبارات لکھ پوچھا جاتا ہے تو فٹ سے الزام بدل کر کہدیتے ہیں کہ

علمائے دیوبند کی بد قسمتی یہ ہے کہ وہ "خلق" دنیا اور من دون اللہ ماسوا اللہ کے الفاظ دیکھ کر اور ان لالغوی عموم مد نظر رکھ کر سمجھ لیتے ہیں کہ انبیائے کرام اور اولیا کرم صدیقین و شہداء اور صالحین بھی ان میں داخل ہیں۔

(عبارات اکابر کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ۔ ص 123 غلام نصیر الدین سیالوی)

## ذلیل کے لفظ پر اعتراض کا جواب

اب آیئے آکو دکھاتے ہیں کہ "ذلیل" کا لفظ کس کس بزرگ نے استعمال کیا اور کیا بریلوی یہ ہمت کریں گے کہ ان بزرگوں کو بھی اپنے انہیں الزامات کا نشانہ بنائیں جو الزامات انہوں نے شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ پر لگائے تھے؟

(01) قطب ربانی محبوب سبحانی غوث صمدانی پیران پیر حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کتاب میں اسلام کی ایک اہم عبادت توکل کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

هو اكتفاء العبد الذليل بالرب الجليل كاكتفاء الخليل بالجليل حين لم ينظر الى عناية جبرئيل عليه السلام

(غنیۃ الطالبین عربی۔ جلد 3۔ ص)

(02)اور بریلوی عالم شیخ الحدیث مولانا صدیق ہزاروی اس عبارت کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

ایک قول یہ ہے کہ ذلیل بندہ جلیل رب پر اکتفا کرے جس طرح اللہ تعالی کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالی پر اکتفاء کیا اور حضرت جبریل علیہ السلام کی عنایت کو نہ دیکھا۔

(غنیۃ الطالبین صفحہ 758)

(03)اسکا ترجمہ کرتے ہوئے شمس بریلوی لکھتے ہیں کہ

بعض حضرات کا ارشاد ہے کہ بندۂ حقیر کو خداوندِ عظیم کو اپنے لئے کافی سمجھنا توکل ہے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالی کو اپنے لئے کافی سمجھا تھا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کی امداد کی پیشکش پر نظر ڈالنا بھی گوارا نہیں کی۔

(غنیۃ الطالبین اردو صفحہ 653)

(04)ایک دوسرے بریلوی عالم مولوی سید عبد الدائم جلالی اسی عبارت کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

اور بعض نے کہا کہ توکل بندۂ حقیر کا خدائے عظیم کو کافی سمجھنا ہے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کو اس وقت کافی سمجھا تھا جب کہ حضرت جبرائیل کی مدد کی جانب نظر بھی نہیں کی۔

(غنیۃ الطالبین اردو مترجم صفحہ۔538)

شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کی اس عبارت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف ان الفاظ کی نسبت ہے جنکی وجہ سے اہل بدعت شاہ شہید پر گستاخی کا الزام لگاتے ہیں کیا کوئی رضاخانی اپنی توپوں کا رخ اس جانب کرنے کی بھی حامی بھر سکتا ہے؟

شیخ عبد القادر جیلانی کی طرف نہ سہی اپنے مذکورہ رضاخانی مترجمین کو ہی گستاخ قرار دے کر دکھائیں تاکہ پتہ چل سکے کہ بریلوی الزام تکفیر میں کتنے مخلص ہیں اور اس میں وہ اپنے اور پرائے کا بالکل بھی لحاظ نہیں رکھتے۔

(05)اور ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ

يوسف عليه السلام لما صبر على الاخذ والعبودية والسجن والذل.

ترجمہ: یوسف علیہ السلام نے جب گرفتاری اور غلامی اور اسیری اور ذلت پر صبر کیا

(الفتح الربانی 358. مجلس.38)

اس عبارت میں حضرت یوسف علیہ السلام پر اطلاق ذلت کا کیا حکم ہو گا کوئی بریلوی ہمارا شکوہ دور کرتے ہوئے ماتن یامترجم کا حکم بتانا پسند کرے گا؟

(06)حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ دوسری منسوب کتاب میں فرماتے ہیں کہ

واستصحبوا الشرع معهم وساروا الى ربهم عزوجل فاستقبلتهم الآفات والاهوال والمصائب والغموم والهموم والجوع والعطش والعرى والذل والمهانة۔

(الفتح الربانی صفحہ 253 مجلس۔23)

ترجمہ: اہل اللہ نے اللہ کے ساتھ صبر کیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور اپنے نفسوں اور خواہشوں اور طبیعتوں کے گھروں سے جدا ہوگئے اور اپنے ساتھ شریعت کو لے کر اللہ عزوجل کی طرف چلے راستے میں ان کا آفتوں ودہشتوں اور مصیبتوں اور غم ورنجوں اور بھوک اور پیاس اور برہنگی اور "ذلت" وخواری نے استقبال کیا۔

(07)دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ۔

لا قرار لقلوب القوم مع الله عز وجل يغيرهم ويبدلهم يقربهم ويبعدهم يقيمهم ويقعدهم يعزهم ويذلهم۔

(الفتح الربانی 573. مجلس۔61)

ترجمہ: اولیا الٰہی کے قلوب کو اللہ کے ساتھ قرار ہی نہیں ہوتا ڈرتے رہتے ہیں وہ ان میں تغیر و تبدل کرتا رہتا ہے کبھی ان کو نزدیک کرلیتا ہے اور کبھی ان کو دور کردیتا ہے کبھی کھڑا کردیتا ہے اور کبھی ان کو بٹھادیتا ہے کبھی عزت دیتا ہے اور کبھی "ذلت" کبھی عطا سے سفر کرتا ہے اور کبھی انہیں کو منع فرمادیتا ہے۔ اولیا اللہ پر حالتیں الٹ ہوتی رہتی ہیں۔

ان دو عبارتوں میں حضرت شیخ عبد القادر جیلانی نے "اھل اللہ" اور "اولیاء اللہ" کی جانب ذلت کی نسبت کی ہے۔ ہے کوئی تکفیری رضاخانی جو اپنے نیزوں اور تیروں کا رخ حضرت شیخ جیلانی کی طرف کرے یا کم سے کم اپنے مترجمین کو ہی گستاخی کی بھینٹ چڑھائے۔

(07)اسی طرح شیخ عبد القادر جیلانی فرماتے ہیں کہ

یری الخلق کلھم بعین العجز والذل۔

(الفتح الربانی۔550. مجلس 60)

ساری مخلوق کو عاجزی اور ذلت اور محتاجی کی آنکھ سے دیکھا کرتا ہے۔

(فیوض غوث یزدانی۔ ص 378)

اس میں بھی واضح طور پر ساری مخلوق کی طرف ذلت کی نسبت کی گئ

اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ " مخلوق میں بڑا ہو یا چھوٹا " اس میں نبی اور ولی کا تذکرہ موجود نہیں ہے لیکن دوسری جانب **بریلویوں کی عبارتیں** میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں کہ جن میں انھوں نے نبیوں کی طرف ذلت اور اس طرح کے الفاظ کا استعمال کیا ہے اور اس کے اندر واضح طور پر نبیوں کا تذکرہ بھی موجود ہے۔

**(08)حضرت آدم کی طرف ذلت کی نسبت (نعوذ باللہ)**

بریلویوں کا بہت بڑے القابات والے مولوی ابو الحسنات سید محمد احمد قادری لکھتا ہے کہ

وہ آدم جو سلطنت مملکت بہشت تھے وہ آدم جو متوج بتاج عزت تھے آج شکار تیر مذلت ھیں۔

(اوراق غم ص)

یہ جناب آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو شکار تیر مذلت یعنی ذلت کے تیر کا شکار قرار دے رہے ہیں۔

**(09)جبکہ آدم علیہ السلام کی زلت شہوت کی وجہ سے تھی (نعوذ باللہ)**

اس میں بھی حضرت آدم علیہ السلام کی طرف ذلت کی نسبت خود بریلویوں نے کی ہے.(اسرار قادری۔ ص 60)

**(10)حضرت موسیٰ علیہ السلام پر لفظ ذلت کا اطلاق (نعوذ باللہ)**

بریلوی مترجم حضرت موسی علیہ السلام کے متعلق لکھتے ہیں کہ

نماز کس طرح ادا کی جائے اس میں وہ کھتے ھیں کہ اپنی زبان کو دل کا مطیع بنا میری بارگاہ میں عبد ذلیل کی طرح حاضری دے۔

مکاشفۃ القلوب صفحہ 142

بریلوی اصول کے مطابق نماز کا حکم سب انبیاء اولیاء کو بھی ہے اور اس عبارت میں تمام مخلوق کی طرف عبادت میں ذلت کی نسبت کی گئی ہے۔

(11)احمد رضاکاوالد مولوی نقی علی خان لکھتاہے

کہ موسی علیہ السلام کو وحی ہوئی کہ جب میرے روبرو کھڑا ہو تو بندہ ذلیل کی طرح کھڑا ہو

(جواہر البیان۔47)

(12)غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں کہ

انبیاء کو سہوا اور ذلت پر عتاب ہوتا ہے۔

شرح صحیح مسلم جلد7 صفحہ 292

**(13)حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ذلت کا اطلاق (نعوذباللہ)**

مفتی احمد یار نعیمی بریلوی لکھتے ہیں کہ

انھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی دانست میں ذلیل کر کے سولی دی۔

تفسیر نعیمی جلد03 صفحہ 452

**(14)حضرت محمد ﷺ کی طرف ذلت کی نسبت (نعوذباللہ)**

فریق مخالف کے اعلی حضرت فاضل بریلوی لکھتے ہیں کہ

کثرت بعد قلت پہ اکثر درود

عزت بعد ذلت پہ لاکھوں سلام

(حدائق بخشش۔ حصہ اول۔ ص38)

نعوذباللہ عزت بعد ذلت پہ لاکھوں سلام اس عبارت اس شعر کے اندر کیا مفہوم بنتا ہے میں آپ کو بریلویوں کی کتاب سے دکھادیتاہوں۔

(15) پیر نصیر الدین گولڑوی لکھتے ہیں کہ

سیالوی صاحب اب فرمائیں کہ

فاضل بریلوی جو میرے خیال میں آپ سے زیادہ فاضل اور عالم باعمل اور ناموس مصطفی و اولیاء کے محافظ تھے اس محولہ بالا شعر میں کس عزت اور کس ذلت کا ذکر فرمارہے ہیں۔

کیا ان کو شان رسالت کا علم نھیں تھا انھوں نے ذلت کی نسبت آپ کی ذات عالیہ کی طرف کردی۔(یعنی یہ موصوف مان رہے ہیں کہ احمد رضا نے ذلت کی نسبت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی ہے اور آگے وہ کہتے ہیں۔ نجیب)

کیاوہ آپ کے نزدیک فتاویٰ گستاخی کی زد میں نھیں آتے؟

اگر نہیں تو کیوں نہیں؟

معلوم ہوا کہ فاضل بریلوی نے اپنے اس شعر میں مکی دور کے مصائب اور طرح طرح کے توہین آمیز سلوک کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے کہا کہ

اے میرے آقا و مولا آپ کی اس عزت پر لاکھوں سلام جو مکی دور کی تیرہ سالہ ذلت کے بعد عطا کی گئی اور اس کثرت پہ درود ہوں جو قلت کے بعد دی گئی۔

(آگے لکھتے ہیں کہ)

اگر آپ کے نزدیک ذوات انبیاء کی طرف کسی قسم کی ذلت اور رسوائی کا انتساب یا یہ عقیدہ رکھنا کہ اس طبقہ پر بھی بصورت امتحان ذلت آسکتی ہے انبیاء کی گستاخی ہے تو لیجئے سب سے پہلے آپ مولانا احمد رضا خان پر گستاخی کا فتوی داغیے اور جس بے باکی سے آپ کے سحاب قلم نے مجھ پر وہابیت و گمراہی وغیرہ کے الفاظ برسائے ہیں خدارا ایسی ہی حق گوئی کا مظاہرہ فاضل بریلوی کے حق میں بھی کر دکھائیں۔

مگر وہ بھی کتابی صورت میں اور آج کے بعد اسٹیجوں پر بھی اسی طرح فاضل بریلوی کے بے ادب اور گستاخ ہونے کا اعلان فرمائیں، جس طرح میرے لئے زحمت فرمایا کرتے ہیں۔

(**لطمة الغیب** صفحہ 43/42)

بریلویوں کی اس پوری کاروائی کو اگر سمجھنا ہے تو بریلوی مولوی کا یہ اقرار پڑھ لیں۔

بریلویوں کے مستند و معتمد عالم مفتی مظہر اللہ دہلوی ایک اصول قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

کسی کی اہانت کرنے کا ایک یہی طریقہ ہے اور بڑا خوبصورت کہ اپنے کو اس کا خیر خواہ اور غمخوار ظاہر کرتے ہوئے اور دوسرے شخص پر تہمت لگاتے ہوئے یوں کہتا ہے کہ فلاں شخص آپ کو ایسی ایسی فحش گالیاں دیتا ہے اس طریقہ سے وہ گالیاں دے کر اپنا دل بھی ٹھنڈا کر لیتا ہے اور ظاہر میں اس کا خیر خواہ بھی بنا رہتا ہے۔

(فتاوی مظہری 397)

مفتی رب نواز حفظہ اللہ، مدیر اعلی مجلہ اَلْفَتْحِیَّہ احمد پور شرقیہ قسط:۳

# فضائل اعمال کا عادلانہ دفاع (جلد دوم)

## اعتراض:۱۳۳... فہم قرآن سے دُور رکھنے کے لیے آیت کا ترجمہ غلط کیا ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے قرآنی آیت ﴿ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر﴾ کا ترجمہ اس طرح کیا:

ہم نے قرآن پاک کو سہل کر رکھا ہے کوئی ہے حفظ کرنے والا"

(فضائل قرآن صفحہ ٦٧، فضائل اعمال صفحہ ٢٦٧)

محمد طارق خان غیر مقلد نے اس ترجمہ کو غلط قرار دے کر لکھا:

"اس ترجمہ پر اٹل رہنے کی ضرورت زکریا صاحب کو اس لیے محسوس ہوئی تاکہ کوئی شخص قرآن کو سمجھنے کے لیے زکریا صاحب کے بیان کردہ پندرہ علوم پر اعتراض کرتے ہوئے قرآن کی اس آیت کو دلیل کے طور پر پیش نہ کر دے اور تبلیغی جماعت کے اکابرین جو امت کو محض قرآن رٹنے رٹانے پر لگا کر قرآن کے علوم سے ناواقف رکھنا چاہتے ہیں اپنے اس مقصد میں ناکام ہو جائیں کیوں کہ تبلیغی جماعت کی کامیابی میں سب سے بڑی رکاوٹ علم ہے۔"

(تبلیغی جماعت عقائد وافکار نظریات اور مقاصد کے آئینہ میں صفحہ ۵۰،۵۱)

## الجواب:

اس عبارت میں تین باتیں بیان ہوئیں: پندرہ علوم کی بات، تبلیغی جماعت کی کامیابی میں بڑی رکاوٹ علم ہے اور آیت کا ترجمہ فہم قرآن سے دُور رکھنے کے لیے ہے۔

ان تین باتوں میں پہلی بات پر بحث "فضائل اعمال کا عادلانہ دفاع" جلد اول میں ہو چکی، دوسری بات کا تعلق فضائل اعمال کی بجائے تبلیغی جماعت سے ہے اس حوالہ سے ہم الگ سے کتاب لکھنا چاہتے ہیں۔ ہمیں یاد رہا اور اللہ

نے چاہا تو اس کا جواب اس کتاب میں عرض کریں گے۔ تیسری بات کا جواب حاضر ہے۔

(۱) قرآن کی آیت ﴿ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر﴾ میں مذکور ذکر کا معنی مفسرین اور خود غیر مقلدین نے نصیحت بھی کیا اور حفظ بھی جیسا کہ اعتراض: ۱۳۲، ۱۳۱ کے جواب میں باحوالہ مذکور ہوا۔ لہٰذا ''حفظ'' والے ترجمہ پر اعتراض کرنا غلط ہے اور پھر اس سے زیادہ غلط یوں تبصرہ کرنا ہے کہ حفظ والا ترجمہ فہم قرآن سے دُور رکھنے کے لیے کیا ہے۔ یہاں خود طارق صاحب پر سوال اٹھتا ہے کہ جن مفسرین اور غیر مقلدین نے ذِکر کا معنٰی حفظ کیا ہے کیا وہ امت کو فہم قرآن سے دُور رکھنے پہ تلے ہوئے ہیں؟

(۲) محمد طارق خان صاحب نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کی جس عبارت پر مذکورہ اعتراض اُٹھایا وہ ''فضائلِ قرآن'' کی ہے۔ ہم اسی رسالہ ''فضائل قرآن'' ہی کو دیکھ لیتے ہیں کہ اس میں قرآن کو سمجھنے کی ترغیب و تاکید کس قدر ہے اور اس پر عمل کرنے کے لیے کس طرح اُبھارا گیا ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''کلام پاک چوں کہ اصلِ دین ہے اس کی بقاء و اشاعت پر ہی دین کا مدار ہے۔ اس لئے اس کے سیکھنے اور سکھانے کا افضل ہونا ظاہر ہے، کسی توضیح کا محتاج نہیں۔ البتہ اس کی انواع مختلف ہیں۔ کمال اس کا یہ ہے کہ مطالب و مقصد سمیت سیکھے اور ادنیٰ درجہ اس کا یہ ہے کہ فقط الفاظ سیکھے۔''

(فضائل قرآن صفحہ ۱۲ فضائل اعمال صفحہ ۲۱۲)

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے قرآن کے مطالب و مقصد سیکھنے کو کمال بتایا ہے۔
شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے ایک حدیثِ قدسی کی تشریح کرتے ہوئے لکھا:

''یعنی جس شخص کو قرآن پاک کے یاد کرنے یا جاننے اور سمجھنے میں اس درجہ مشغولی ہے کہ کسی دوسری دُعا وغیرہ کے مانگنے کا وقت نہیں ملتا، میں دعا مانگنے والوں کے مانگنے سے بھی افضل چیز عطا کروں گا۔''

(فضائل قرآن صفحہ ۱۳)

اس عبارت میں ”جاننے اور سمجھنے“ الفاظ پہ توجہ رہے۔

”قرآن شریف کا ماہر وہ کہلاتا ہے جس کو یاد بھی خوب ہو اور پڑھتا بھی خوب ہو اور اگر معانی و مراد پر قادر ہو تو پھر کیا کہنا۔“

(فضائل قرآن صفحہ ۱۵)

شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے الفاظ ”اگر معانی و مراد پر قادر ہو تو پھر کیا کہنا۔“ پر نظر رہے۔

”ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اگر علم چاہتے ہو تو قرآن پاک کے معانی میں غور و فکر کرو کہ اس میں اولین و آخرین کا علم ہے“

(فضائل قرآن صفحہ ۲۰)

”اسی کی طرف حضرت علی کرم اللہ وجھہ نے اشارہ فرمایا جب کہ اُن سے پوچھا گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کچھ خاص علوم عطاء فرمائے ہیں یا خاص وصایا جو عام لوگوں کے علاوہ آپ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اُنہوں نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے جنت بنائی اور جان پیدا کی، اس فہم کے علاوہ کچھ نہیں جس کو اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنے کلامِ پاک سمجھنے کے لیے کسی کو عطا فرمادیں۔“

(فضائل قرآن صفحہ ۲۲)

”یعنی قرآن پاک کے پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی برکت یہ ہے کہ اس پڑھنے والے کے والدین کو ایسا تاج پہنایا جاوے گا جس کی روشنی آفتاب کی روشنی سے بہت زیادہ ہو۔“

(فضائل قرآن صفحہ ۲۶)

اس عبارت کے الفاظ ”اس پر عمل کرنے کی برکت یہ ہے کہ“ پہ توجہ رہے۔

"حاکمؒ نے بُریدہؓ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص قرآن شریف پڑھے اور اس پر عمل کرے اس کو ایک تاج پہنایا جائے گا جو نور سے بنا ہوا ہو گا۔"

(فضائل قرآن صفحہ ۲۷)

"حضرت علیؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جس شخص نے قرآن پڑھا، پھر اس کو حفظ یاد کیا اور اس کے حلال کو حلال جانا اور حرام کو حرام، حق تعالیٰ شانہ اس کو جنت میں داخل فرماویں گے اور اس کے گھرانے میں سے ایسے دس آدمیوں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول فرماویں گے جن کے لیے جہنم واجب ہو چکی ہو۔"

(فضائل قرآن صفحہ ۲۹)

شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی نقل کردہ حدیث بالا میں "اس کے حلال کو حلال جانا اور حرام کو حرام" پہ نگاہ رہے۔

"امام نوَوِیؒ نے اس میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ فضیلت آدمیوں کے لحاظ سے مختلف ہے۔ بعض کے لیے دیکھ کر (قرآن کو پڑھنا) افضل ہے جس کو اُس میں تدبر و تفکر زیادہ حاصل ہوتا ہو اور جس کو حفظ میں تدبر زیادہ حاصل ہوتا ہو اس کے لیے حفظ پڑھنا افضل ہے۔"

(فضائل قرآن صفحہ ۳۳)

"امت کے لیے ذریعہ افتخار کلام اللہ شریف ہے کہ اس کے پڑھنے سے، اس کے یاد کرنے سے، اس کے پڑھانے سے، اس پر عمل کرنے سے غرض اس کی ہر چیز قابل افتخار ہے اور کیوں نہ ہو کہ محبوب کا کلام ہے۔"

(فضائل قرآن صفحہ ۳۵)

یہاں عبارت میں قرآن پر عمل کرنے کو باعث فخر بتایا ہے۔

"سمجھ کر پڑھے یا بلا سمجھے پڑھے دونوں طرح موجبِ تقرب ہے۔"

(فضائل قرآن صفحہ ۴۱)

شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے قرآن کے متعلق حدیث کے الفاظ درج کئے ہیں:

"اُس کے معانی میں تدبر کرو تاکہ تم فلاح کو پہنچو۔"

(فضائل قرآن صفحہ ۴۶)

"حدیث بالا میں چند اُمور ارشاد فرمائے ہیں....(۵)اس کے معنیٰ میں غور کرو۔"

(فضائل قرآن صفحہ ۴۷)

"تدبر اور غور کرنے کے متعلق کچھ مقدمہ میں اور کچھ حدیث نمبر:۸ کے ذیل میں مذکور ہو چکا ہے۔"

(فضائل قرآن صفحہ ۴۸)

"جو شخص اس (قرآن) کو اپنے آگے رکھ لے یعنی اس کا اتباع اور اس کی پیروی اپنا دستور العمل بنالے اس کو جنت میں پہنچا دیتا ہے۔"

(فضائل قرآن صفحہ ۵۲)

"کتاب اللہ پر عمل بھی فتنوں سے بچنے کا کفیل ہے۔"

(فضائل قرآن صفحہ ۵۹)

قارئین کرام! شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کی عبارتیں ملاحظہ فرما کر فیصلہ کریں جو مصنف قرآن سمجھنے، تدبر، غور و فکر اور مطالب و مقاصد جاننے اور قرآن پر عمل کرنے کے لیے امت کو یوں اُبھار رہے ہوں اُن پر یہ الزام لگانا کہ وہ امت کو قرآن کی تعلیم سے دُور رکھنا چاہتے ہیں کتنی بڑی زیادتی ہے؟

(۳) محمد طارق خان صاحب اپنے غیر مقلدین کے بارے میں کچھ غور کر لیتے کہ انہوں نے قرآن سے لوگوں کو کیسے اور کس قدر دُور کیا ہے۔ مولانا ثناء اللہ امر تسری غیر مقلد نے تفسیر لکھی تو خود غیر مقلدین نے اس تفسیر کو غلط باور کرانے کے لیے "الاربعین" کتاب لکھی جو رسائل اہلِ حدیث جلد اول میں شامل ہے۔ اس تفسیر کو حافظ عبد اللہ روپڑی غیر مقلد نے بھی غلط قرار دیا۔ مریم مدنی کے مقالہ "محدث روپڑی اور تفسیری درایت کے اصول"

دیکھ لیں۔ روپڑی صاحب نے معارف قرآنی لکھے تو مولانا ثناء اللہ امرتسری غیر مقلد نے انہیں "کوک شاستر" کہا۔ (مظالم روپڑی صفحہ ۵۵ مشمولہ رسائل اہلِ حدیث جلد اول)

اس حوالے سے ہمارے پاس غیر مقلدین کی کتابوں سے کافی حوالہ جات ڈائری میں درج ہیں جب کبھی اس عنوان پر لکھنے کی اللہ نے توفیق دی تو سب حوالے تب قارئین کے سامنے پیش کریں گے۔ اس وقت میرے کمپیوٹر میں درج ذیل حوالہ جات کمپوز ہیں انہیں یہاں پیش کرتا ہوں۔

مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"کچھ ایسی ہی کیفیت ہمارے زمانے کے بعض مفسرین کی ہے۔ دیکھئے مصر کے علامہ محمد عبدہ اور ان کے شاگرد علامہ رشید رضا کہ مصر میں اُن کی اصلاحی اور سیاسی مساعی بڑی قابل قدر ہیں اور آخر الذکر تو سلفیت کے بھی شیدا معلوم ہوتے ہیں لیکن فلسفہ جدیدہ اور اس کے شاگردوں (مستشرقین وغیرہم) سے شدید طور پر متاثر ہیں اور افسوس کہ اُن کی تفسیر "المنار" کافی حد تک مفید ہونے کے باوجود صحابہ و تابعین وائمہ سلف کے مسلک سے ناآشناؤں کے لئے مضر بھی ہے۔ مسئلہ حیاتِ مسیح، احادیثِ دجال پر تنقید، سود کی بحث، طیراً ابابیل کی تفسیر وغیرہ ان امور میں فلسفۂ حاضرہ سے شعوری یا غیر شعوری تاثر کی وجہ سے ان کے قلم سے حق کے خلاف سرزد ہو گیا ہے۔ عفا اللہ عنا وعنہم اور یہ بات واقعہ کے سراسر خلاف ہے کہ تفسیر منار امام ابن جریر اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے طرزِ تفسیر پر ہے۔"

(حاشیہ اصول تفسیر امام ابن تیمیہ صفحہ ۲۲)

بھوجیانی صاحب آگے لکھتے ہیں:

"اسی قسم کے خدشہ کا اظہار مصر ہی کے ایک اہلِ حدیث عالم علامہ محمد منیر دمشقیؒ نے بھی فرمایا ہے جو علامہ محمد عبدہ کے مدرسۂ فکر سے تعلق رکھتے ہیں اور دونوں (استاد، شاگرد) کے مداح بھی ہیں۔ تفسیر مذکور کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: فتح لغيره بابا واسعا من ملحدی زماننا فی ذلک وهذا السنن الغير المشروعة۔( انموذج من الاعمال الخيرية

ص ۳۰۲) ہمارے زمانے کے ملحدین کے لیے اس تفسیر نے (تاویل و تحریف کا) دروازہ کھول دیا ہے اور یہ نامناسب طریقہ ہے۔ پھر اس کی چند مثالیں ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ یہاں استقصاء مقصود نہیں اس کے لیے کئی جلدوں کی ضرورت ہے۔ بلکہ مقصد اُن چند باتوں کی نشان دہی ہے جو کئی سال سے غلط ہونے کی وجہ سے کھٹک رہے تھے، باوجود یہ کہ لوگ اس پر گرے پڑتے ہیں اور غلط صحیح میں کچھ امتیاز نہیں کرتے۔"

(صفحہ ۲۳)

بھوجیانی صاحب مزید لکھتے ہیں:

"اور یہ صورت کچھ اب ہی سامنے نہیں آرہی ہے بلکہ نویں صدی میں بعض زیدی معتزلہ نے جب حدیث اور اہلِ حدیث کے خلاف طوفان بپا کیا تو یہی طریقہ انہوں نے بھی اختیار کیا۔ چنانچہ اس کے جواب میں اُس وقت کے ایک محقق اہلِ حدیث بزرگ علامہ محمد بن ابراہیم الوزیر (متوفی ۸۴۰) کو لکھنا پڑا کہ تاویلات کا یہ پلندا جو بعض اہلِ حدیث میں بھی پایا جاتا ہے: فمن فیض علومکم ھذہ التی افتخرتم بممارستھا، یہ سب تمہارے (معتزلہ) ہی علوم کے "فیض" کا اثر ہے جن پر تم پھولے نہیں سماتے۔"

(حاشیہ اصول تفسیر امام ابن تیمیہ اردو صفحہ ۲۳)

مولانا عبد الرحمن کیلانی غیر مقلد نے حافظ عنایت اللہ اثری غیر مقلد کے متعلق لکھا:

"ممتاز عالم دین اور طلوع اسلام کی طرح سر سید احمد کے افکار سے بہت متاثر ہیں جیسا کہ اثری کے لاحقہ سے بھی معلوم ہوتا ہے آپ خود کو اہلِ حدیث کہلوانا پسند فرماتے تھے ... آپ بھی سر سید اور دوسرے تمام منکرین حدیث کی طرح معجزات انبیاء کے منکر ہیں۔ آپ نے تمام امت مسلمہ کے مسلّمہ عقیدہ کے علی الرغم "عیون زمزم فی ولادتِ عیسیٰ بن مریم" نامی کتاب لکھ کر حضرت عیسیٰ کے بن باپ پیدائش کی تردید فرمائی۔ علاوہ ازیں دو کتابیں بیان المختار اور

قول المختار لکھ کر تمام انبیاء کے معجزات سے انکار فرمایا ہے۔ حافظ اور دوسرے منکرین حدیث میں مابہ الامتیاز فرق یہ ہے کہ تمام منکرین حدیث کا طریق کار یہ ہوتا ہے کہ پہلے احادیث کا انکار کرتے ہیں پھر بعد میں قرآن کی من مانی تاویلات کر کے قرآن پر ہاتھ صاف کرتے ہیں۔ جب کہ حافظ تاویلات کے ذریعہ پہلے قرآن پر ہاتھ صاف کرتے ہیں، بعدہ حدیث پر۔ گویا آپ کا کام عام منکرین حدیث سے دوگنا بڑھ گیا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تاویل قرآنی کے دھندے میں حافظ صاحب موصوف نے منکرین حدیث کے کان کتر ڈالے ہیں... حافظ صاحب نے جب واقعہ اسراء کی تاول پیش فرماتے ہوئے مسجد اقصیٰ سے مراد دُور کی مسجد اور مدینہ منورہ نیز واقعہ اسراء سے مراد ہجرت نبوی کا تصور پیش کیا تو پرویز صاحب نے انہیں درج ذیل الفاظ میں ہدیہ تبریک پیش فرمایا تھا: ”اگلے دنوں ایک صاحب کی وساطت سے مجھے عنایت اللہ اثری (وزیر آبادی ثم گجراتی) کی کتاب ”حصول تیسیر البیان علی اصول تفسیر القرآن“ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت اور خوشی ہوئی کہ انہوں نے بھی مسجد اقصی کا وہی مفہوم لیا ہے جسے میں نے مفہوم القرآن میں لکھا تھا، ایک اہلِ حدیث عالم کی طرف سے اس آیت کا وہ مفہوم جو روایتی مفہوم سے ہٹا ہوا ہو۔ واقعی باعث تعجب (اور چوں کہ وہ مفہوم میرے نزدیک قرآن کے منشاء کے مطابق ہے اس لیے وجہ حیرت) ہے۔ مولانا صاحب اگر بقید حیات ہوں (خدا کرے کہ ایسا ہی ہو اور خدا ان کی عمر دراز کرے) تو وہ میری طرف سے اس تحقیق اور حق گوئی کی جرأت پر ہدیہ تبریک قبول فرمائیں۔ طلوع اسلام جنوری ۷۵ء ص ۴۱“

(آئینہ پرویزیت صفحہ ۱۳۰)

عنایت اللہ اثری کی غیر مقلدیت پر خود غیر مقلدین کے حوالہ جات بندہ نے اپنی کتاب ”زبیر علی زئی کا تعاقب“ میں نقل کر دیئے ہیں۔

مولانا ثناء اللہ صفدر حفظہ اللہ قسط5

# حضرت امام مہدی علیہ السلام اور قرآنی نظام کے متعلق فکریوں کا نظریہ

اہل سنت والجماعت کے چاروں امام اور عہد حاضر میں مسلمانوں کے تمام مکاتب فکری امام مہدی کی آمد پر متفق ہیں۔ احادیث کی معتبر کتابوں میں امام مہدی کی آمد پر محدثین نے مستقل ابواب باندھے ہیں۔ مجموعی طور پر ساٹھ سے زائد احادیث میں امام مہدی کی خبر دی گئی ہے، علامہ سیوطی رحمہ اللہ اپنے رسالہ "العرف الوردی" میں نوے احادیث کی تخریج کی ہے، جن کی 33 احادیث میں مہدی کا نام صراحتاً موجود ہے، اور دیگر احادیث میں خلیفہ کے لفظ اور ان اوصاف کے ساتھ ذکر ہے جو کہ امام مہدی کی احادیث میں مذکور ہیں۔

فکریوں کے مشہور زمانہ تفسیر "الہام الرحمن" میں لکھا ہے:

وعلاوة على هذا أن المحققين من الاشاعرة لم يعدوا نزول المسيح واتيان المهدى من جملة مايجب اعتقاده على أهل السنة فلم يذكرهما صاحب المواقف۔

(تفسیر الہام الرحمن ج2 ص54، مطبورعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی)

یعنی مہدی کے ورود اور عیسی علیہ السلام کے نزول کا عقیدہ نہ تو اسلامی ہے اور نہ محققین مثلاً صاحب موافق وغیرہ کی کتب میں ان کا تذکرہ ہے۔

ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

مسلمانوں کے دفاع میں یہ خیال راسخ ہو گیا ہے کہ قوم کو پستی سے نکالنے کیلئے کوئی غیر معمولی شخصیت چاہیے اور ضروری ہے کہ یہ شخصیت اعلیٰ طبقہ سے آئے۔ امام مہدی کا تصور دراصل اسی غلط ذھبیت کا آئینہ دار ہے، بدقسمتی سے ڈاکٹر اقبال بھی اس غلط فہمی کا شکار رہے،

(افادات وملفوظات ص511)

اسی طرح تفسیر الہام الرحمن کے حاشیے میں لکھا ہے۔

اتیان المھدی ونزول عیسیٰ علیہ السلام لم یکونا من عقیدۃ السلف۔

یعنی مہدی کا آنا اور عیسی علیہ السلام کا نزول ہونا سلف کا عقیدہ نہیں تھا۔

## قرآنی نظام کے متعلق فکریوں کا نظریہ

تمام مسلمانوں کی فلاح وکامیابی اسلامی نظام کے نافذ کرنے میں ہیں، خدا کی زمین پر خدا کا نظام قائم کرنے سے ہی معاشرے میں امن وسکون کی بہار آسکتی ہیں۔

جبکہ فکری حضرات حدود کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

قرآن مجید میں بعض جرائم کی جو سزائیں مذکور ہیں، ان کی حیثیت محض مثال کی ہے اور لازمی نہیں کہ ہر زمانے میں ان کو اسی شکل میں نافذ کیا جائے۔

(افادات وملفوظات ص279)

یہ کہنا کہ یہ سزائیں محض مثال کی ہے، یہ دراصل قرآنی حدود کی حیثیت اور وقعت کو لوگوں کے نظروں میں کم ثابت کرنا ہے یعنی یہ قرآنی حدود نافذ نہ بھی کئے جائیں تو کوئی بات نہیں۔ بلکہ ایک جگہ تو حدِ ارتداد کے نفاذ کو معاشرے کی ابتری بھی کہہ چکے ہیں۔

فکریوں کے ترجمان رسالہ عزم میں "سعید اعوان" صاحب لکھتے ہیں کہ:

اسی طرح تنگ نظری اور کافرسازی کے ماحول میں حد ارتداد کے نفاذ سے معاشرے میں جو ابتری پھیلے گی اس کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

(رسالہ عزم، سیریز نمبر 26، ص4)

اسی طرح فکریوں کے نظریے کے مطابق اسلامی حکومت ایک خواب ہے ان کے خیال میں زمانہ اب ترقی کرچکا، اس لئے اب یہ چیزیں نہیں چل سکتی، یہ زمانہ ایسی حکومتوں کا ہے جن کی اشیاء سیکولرازم اور سوشلزم پر ہو، ملاحظہ فرمائیں۔

اب قومی جمہوریتوں کا زمانہ ہے، ایسی قومی جمہوریتوں کا جن کی بنیاد سیکولرزم اور سوشلزم ہو۔ میں اور میرے بزرگ تم میں سے بعض خوش عقیدہ لوگ اب جو خواب (اسلامی حکومت) دیکھ رہے ہیں اسی خواب کو حقیقت بنانے کیلئے جدوجہد کرتے رہے ہیں۔ وہ تم سے کہیں زیادہ مخلص تھے اور انہیں اچھے سے اچھے ساتھی ملے لیکن وہ ناکام رہے۔ کیونکہ زمانہ اب ان چیزوں کا نہیں۔

(افادات وملفوظات ص164)

یعنی فکریوں کے نزدیک زمانہ کی رفتار کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو کفری جمہوری حکومتیں اختیار کرنی چاہیے نہ کہ اسلامی، کیونکہ اب زمانہ اسلام کا نہیں۔

فکری حضرات انقلاب انقلاب کی باتیں کرتے ہیں لیکن یاد رہے! انقلاب سے یہ حضرات یورپ والوں کی حکومت چاہتے ہیں، لکھتے ہیں کہ!

میں چاہتا ہوں کہ میری قوم جلد سے جلد یورپین ازم اپنائے، تاکہ وہ شاہ پرستی کی اس دلدل سے نکل سکے۔ شاہ پرستی کی ذہنیت کو چھوڑے بغیر کسی قوم کی ترقی ممکن نہیں۔

(افادات وملفوظات ص422)

اس میں شک نہیں کہ شاہ پرستی ایک لعنت اور برائیوں کی جڑ ہے لیکن اس کا یہ نتیجہ نکالنا کہ یورپین ازم اپنایا جائے، یہ جنگل والوں کی نرالی منطق ہیں، اسلامی نظام کو آخر فکری حضرات کیوں نظر انداز کر رہے ہیں؟

مفتی رب نواز حفظہ اللہ، مدیر اعلی مجلہ الفتحیہ احمد پور شرقیہ قسط:۱

# مولانا محمد اسماعیل سلفی غیر مقلد کی کتاب
# "مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم" پر طائرانہ نظر

مولانا محمد اسماعیل سلفی غیر مقلد کی اس کتاب کا مقصود مماتیوں کے بزرگ مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری کی اس رائے کو درست بتانا ہے جو انہوں نے جامعہ خیر المدارس ملتان کے جلسہ میں پیش کی تھی۔ اس رائے کو درست بتاتے ہوئے نہ صرف علمائے دیوبند پر مہربانی فرمائی بلکہ محدثین: امام بیہقی، حافظ ابن قیم، امام سیوطی اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہم اللہ کے موقف کو بھی غلط قرار دیا۔ ان میں سے بعض کے متعلق کہا کہ وہ موضوع کو صاف نہیں کر سکے اور نہ ہی ان کا اپنا ذہن صاف تھا، بعض کی بابت دعوی کیا وہ تعارض کو رفع نہیں کر پائے، بعض کے بارے میں لکھا کہ ان کے نظریات سے قبر پرستوں کو مدد ملے گی اور ان نظریات سے عوام کے پھسلنے کا خطرہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب کچھ آپ آئندہ اوراق میں لفظ بہ لفظ پڑھیں گے ان شاء اللہ۔

یہ ساری کتاب اس زعم کے گرد گھومتی ہے کہ دیوبندی دنیاوی حیات کے قائل ہیں اور یہ نظریہ غلط اور بریلویوں والا ہے۔ حالاں کہ علمائے دیوبند کے ہاں اس حیات کو دنیاوی کہنے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا والا جسم ہی حیات سے فائز ہے۔ مگر سلفی صاحب دنیاوی سے وہ حیات مراد لیتے رہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں گزار کر گئے۔ پھر اس کی تردید میں خود کو مصروف کئے رکھا۔ اس کتاب کے مختصر تعارف کے بعد اب ہم اس پر طائرانہ نظر ڈالتے ہیں، وباللہ التوفیق۔

## حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار کی ابتداء عنایت اللہ شاہ بخاری نے کی

کتاب کی ابتداء میں مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی (غیر مقلد) کی "تقریب" ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں:

"اس افسوس ناک خلفشار کی ابتداء ایک تقریر سے ہوئی جو ایک جید دیوبندی عالم، صاحب علم و عرفان مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری دام مجدہ نے حنفیہ کرام ملتان کے

ایک جلسہ میں فرمائی جس پر ان کے رفقائے مذہب نے نہ صرف یہ کہ اس وقت ہی ہنگامہ بپا کر دیا بلکہ بعد میں بھی فتویٰ بازی اور مضامین سازی کی مہم چلادی۔ حتیٰ کہ خود مدرسہ دیوبند اور اس کے رسالہ ”دار العلوم“ نے بھی اس میں کافی دلچسپی لی۔“

(تقریب مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۷، ناشر: **المکتبۃ السلفیہ** لاہور)

بھوجیانی صاحب کے اعتراف کے مطابق خلفشار کی ابتداء سید عنایت اللہ شاہ بخاری کی تقریر سے ہوئی۔ جب خلفشار ہوئی تو علمائے دیوبند نے فوراً اس کا تدارک فرمایا، یہاں تک کہ دیوبند کے مرکز سے بھی اس کی تردید شائع ہوئی۔ اس سے ایک تو یہ ثابت ہوا کہ بروقت اس خلفشار کا تعاقب کیا گیا، دوسرا یہ معلوم ہوا کہ دار العلوم دیوبند عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے والوں کا مرکز ہے۔ جو لوگ حیات کا انکار کر کے خود کو دیوبند کی طرف منسوب کرتے ہیں انہیں اپنی نسبت پہ نظر ثانی کرنی چاہیے۔

بھوجیانی صاحب مولانا عنایت اللہ شاہ بخاری کو ”صاحب علم و عرفان“ باور کرا رہے ہیں۔ پہلے یہ بتایا جائے کہ بخاری صاحب تمہارے ہاں مقلد ہیں یا غیر مقلد؟ اگر مقلد ہیں تو تمہارے بقول تقلید جہالت اور مقلد جاہل ہوتا ہے تو وہ مقلد ہو کر ”صاحب علم و عرفان“ کیسے بن گئے؟ اگر وہ آپ کے ہاں غیر مقلد ہیں تو انہیں دیوبند کے ایک فریق کے طور پر پیش نہ کریں بلکہ غیر مقلد باور کرائیں۔

**تنبیہ:** مولانا عطاء اللہ حنیف کا نظریہ ہے کہ انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور روضہ پر پڑھے گئے درود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنتے ہیں۔

(التعلیقات السلفیۃ علی سنن النسائی: ۱/۲۳۷ بحوالہ تسکین الصدور صفحہ ۲۶۵)

## عقیدہ ممات کے ”مخالف رحیاتی“ با اثر اور اہل علم حضرات ہیں

مولانا محمد اسماعیل سلفی لکھتے ہیں:

”چوں کہ مخالفت با اثر اور اہلِ علم حضرات کی طرف سے تھی۔ اور یہ حضرات بھی دیوبندی مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لیے اس کا اثر پاکستان میں دوسرے مقامات پر بھی ہوا اور کوشش ہوئی کہ اس قسم کے صاف گو مبلغین کا مقاطعہ کیا جائے۔ بلکہ اس کا اثر ہندوستان

تک بھی پہنچا۔ چنانچہ ماہ نامہ ''دار العلوم'' دیو بند میں ایک مضمون مولانا زاہد الحسینی کے قلم سے اور ایک تعارفی نوٹ مولانا سید انظر صاحب کے قلم سے شائع ہوا۔''
(مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۱۰)

سلفی صاحب نے ماشاء اللہ حیاتی علماء کو ''باثر اور اہلِ علم حضرات''تسلیم کیا ہے۔

## شیخ عبد الحق محدث دہلوی عقیدہ حیات کے قائل تھے

سلفی صاحب لکھتے ہیں:

''متنازعہ فیہ مسئلہ میں مجلہ ''دار العلوم'' کے مضمون نگار حضرات نے جو کچھ فرمایا ہے اس میں حیاتِ دنیوی کی صراحت شیخ عبد الحق صاحب کے بعد صرف اکابر دیو بند ہی نے فرمائی ہے۔''(مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۱۶)

سلفی صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''شیخ عبد الحق محدث دہلوی ۱۰۵۲ھ نے بھی مدارج النبوۃ میں حیاتِ دنیوی کا اعتراف کیا۔ حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے سبکی رحمہ اللہ سے بھی اس قسم کے الفاظ نقل کئے ہیں۔''
(مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۲۲)

غیر مقلدین کی کتابوں میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی بہت زیادہ مدح سرائی مذکور ہے یہاں تک علامہ عبد الرشید عراقی غیر مقلد نے ''دو روشن ستارے''کتاب لکھی جس میں ایک روشن ستارہ حضرت مجدد الف ثانی کو باور کرایا جب کہ دوسرا روشن ستارہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی کو کہا۔ ان دونوں بزرگوں بالفاظ دیگر دونوں حنفیوں کو خراج تحسین پیش کیا۔

## حافظ بیہقی اور سیوطی موضوع صاف نہیں فرما سکے

سلفی صاحب آگے لکھتے ہیں:

”ہاں شاہ عبد الحق رحمہ اللہ سے پہلے حافظ بیہقی رحمہ اللہ اور سیوطی نے اس موضوع پر مستقل رسائل لکھے ہیں ۔ مگر افسوس موضوع صاف نہیں فرما سکے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے ان حضرات نے اس قسم کا ذخیرہ جمع فرمایا ہے جس کے متعلق ان کے ذہن بھی صاف نہیں کہ وہ حیات ثابت فرمانا چاہتے ہیں لیکن اس کی نوع متعین نہیں فرماتے۔“

(مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۱۶)

غیر مقلدین دعوی کیا کرتے ہیں کہ حدیث کی فہم کو محدثین دوسروں کی بہ نسبت زیادہ جانتے ہیں۔(علمی مقالات: ۳/ ۸۳، توضیح الاحکام: ۳/ ۱۸۹) مگر یہاں حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی باری آئی تو یہ تاثر چھوڑ دیا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ اور امام سیوطی رحمہ اللہ نہ تو موضوع صاف فرما سکے اور نہ ہی ان کا اپنا ذہن صاف تھا۔ امام بیہقی اور امام سیوطی رحمہا اللہ دونوں شافعی المسلک ہیں مگر موجودہ دَور کے غیر مقلدین انہیں تارک تقلید باور کرانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ مثلاً حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”امام بیہقی مقلد نہیں تھے۔“ (علمی مقالات: ۴/ ۵۵)

اسی طرح انہوں نے امام سیوطی رحمہ اللہ کو بھی ”غیر مقلد“ کہا ہے۔(ماہنامہ الحدیث حضرو، شمارہ: ۹۰)

جب غیر مقلدین کے ہاں بیہقی اور سیوطی غیر مقلد ہیں تو ہم الزاماً کہہ سکتے ہیں کہ آپ کے غیر مقلدین بقول آپ کے نہ تو موضوع کو صاف کر سکے اور نہ ہی ان کا اپنا ذہن صاف تھا۔

سلفی صاحب نے یہ اقرار تو کر لیا کہ محدثین: امام بیہقی رحمہ اللہ اور امام سیوطی رحمہ اللہ نے حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اثبات میں مستقل رسالے لکھے ہیں مگراِس کے بالمقابل اس دور کے کسی محدث کی نشاندہی نہیں کی جس نے حیات انبیاء کے انکار پر رسالہ لکھا ہو؟

## امام سیوطی رحمہ اللہ تعارض نہیں اُٹھا سکے

سلفی صاحب لکھتے ہیں:

”حافظ سیوطی رحمہ اللہ انتہائی کوشش کے باوجود آیت انک میت وانھم میتون

[سورۃ زمر] اور حدیث فیرد اللہ علی روحی اور حدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون میں تعارض نہیں اُٹھا سکے۔"

(مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۱۷)

حافظ سیوطی رحمہ اللہ پر الزام بے جا ہے۔ کیوں کہ آیت اور حدیثوں میں تعارض ہے ہی نہیں۔ آیت میں دنیاوالی موت کی پیش گوئی ہے کہ موت آئے گی اور حدیثوں میں قبر کی حیات کا اثبات ہے۔ تعارض تو تب ہوتا جب حدیثوں میں یہ مضمون ہو دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موت نہیں آئے گی۔ جب کہ کسی حدیث میں ایسا بیان نہیں۔

## امام سیوطی رحمہ اللہ کے رسالہ سے قبر پرستوں کو مدد ملے گی!!؟

سلفی صاحب آگے لکھتے ہیں:

"بلکہ حافظ سیوطیؒ نے تو حاطبِ لیل کی طرح ایک غیر موثق ذخیرہ جمع فرمادیا ہے جس سے حضرات قبوریین کو مدد ملے گی اور سادہ دل توحید کے شبہات سے لبریز ہوں گے۔"

(مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۱۷)

سلفی صاحب دیوبندیوں اور مماتیوں کے درمیان بزعم خود محاکمہ کرنے بیٹھے تھے، نہ جانے پھر کیا سوجھی چھلانگ لگائی اور صدیوں پہلے کے محدثین امام بیہقی رحمہ اللہ اور امام سیوطی رحمہ اللہ تک جا پہنچے اور انہیں کھری کھری سنائیں کہ وہ نہ تو موضوع صاف کر سکے اور نہ ہی اُن کا اپنا ذہن صاف تھا۔ اس سے بڑھ کر امام سیوطی رحمہ اللہ کو قبر پرستوں کا معاون باور کرایا۔ یہ سب کچھ لکھنے لینے کے باوجود قلم رُکا نہیں بلکہ اس نے اگلے لمحے حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

## حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب "کتاب الروح" عوام کے لئے خطرہ ہے

سلفی صاحب نے حافظ سیوطی رحمہ اللہ کو کھری کھری سنانے کے بعد فوراً اپنا رخ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی

طرف کر کے لکھا:

”قریبا یہی حال حافظ ابن القیم کی کتاب الروح کا ہے۔ فحول اہلِ حدیث اور ماہرین رجال کو تو کوئی خطرہ نہیں لیکن عوام کے لیے یہ مور دمزلہ اقدام ہے۔“
(مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۱۷)

”یہی حال حافظ ابن القیم کی کتاب الروح کا ہے“ اس کا مطلب پچھلی عبارت کو ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ سلفی صاحب کے بقول جس طرح علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی جمع پونجی سے قبر پرستوں کو مدد ملے گی، اسی طرح حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب ”کتاب الروح“ سے بھی قبر پرستوں کو مدد ملے گی۔ مزید یہ کہ ان کی کتاب عوام کے پھسلنے کا سبب ہے۔ سلفی صاحب نے ”کتاب الروح“ کو عوام کے لیے خطرہ قرار دیا ہے مگر یہ بھی جان لیں کہ ”کتاب الروح“ کا اردو ترجمہ اور عوام میں اس کی اشاعت بھی غیر مقلدین نے کی ہے۔ گویا عوام کو پھسلانے میں غیر مقلدین تعاون کر رہے ہیں۔

یہاں یہ بات جانتے چلیں کہ سلفی صاحب نے ”کتاب الروح“ کے مندرجات پر سخت تنقید تو کی ہے مگر یوں نہیں کہا کہ یہ کتاب حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی ہے ہی نہیں۔

## امام بیہقی سے لے کر اب تک محل نزاع متعین نہیں کیا گیا

سلفی صاحب لکھتے ہیں:

”اس موضوع پر امام بیہقی رحمہ اللہ سے آج تک جو کچھ لکھا گیا ہے، اس میں محل نزاع کا تعین نہیں فرمایا گیا۔ امام بیہقی نے ائمہ حدیث کی طرح اس موضوع کے متعلق مواد جمع فرمایا ہے۔“
(مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۲۰)

اس موضوع پر محدثین: بیہقی اور سیوطی وغیرہما نے لکھا۔ غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ محدثین انہی کے ہم مسلک تھے، اسی طرح خود غیر مقلدین نے بھی اس عنوان ”حیات النبی“ کے اثبات میں بہت کچھ لکھا ہے۔ اس سوال کو غیر مقلدین حل کریں کہ سلفی صاحب کے زمانہ تک انہوں نے محل نزاع کا تعین کیوں نہیں کیا؟

## قصیدہ نونیہ کے مطالعہ کی ترغیب

سلفی صاحب لکھتے ہیں:

”حافظ سیوطی نے کتاب الروح اور حیات الانبیاء سے استفادہ بھی فرمایا اور بعض احادیث کی توجیہات بھی کی ہیں۔ حافظ سیوطیؒ نے کتاب الروح سے استفادہ فرمایا ہے لیکن معلوم نہیں قصیدہ نونیہ کی طرف ان کی توجہ کیوں مبذول نہیں ہوئی۔ حالاں کہ قصیدۂ نونیہ میں حافظ ابن القیمؒ نے اس موضوع کو بہت زیادہ منقح فرمایا ہے۔“

(مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۲۰)

سلفی صاحب قصیدہ نونیہ کی طرف توجہ دلا رہے ہیں اور ساتھ ہی یہ دعویٰ بھی کہ اس میں مسئلہ منقح کیا گیا ہے۔ عرض ہے کہ قصیدہ نونیہ صفحہ ۱۴۵ میں بھی حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اثبات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام کا جواب دیتے ہیں۔ (تسکین الصدور صفحہ ۳۹۶)

سلفی صاحب ایک طرف تو دعویٰ کرتے ہیں کہ امام بیہقی رحمہ اللہ سے لے کر آج تک محل نزاع کا تعین نہیں فرمایا گیا۔ دوسری طرف یہ بھی ارشاد ہے کہ حافظ ابن القیمؒ نے اس موضوع کو بہت زیادہ منقح فرمایا ہے۔

## انبیاء کرام برزخ میں عبادت کرتے ہیں انہیں رزق بھی ملتا ہے

سلفی صاحب لکھتے ہیں:

”اہل سنت کے دونوں مکاتب فکر اصحاب الرائے و اہلِ حدیث کا اس امر پر اتفاق ہے کہ شہدا اور انبیاء زندہ ہیں۔ برزخ میں وہ عبادات تسبیح و تہلیل فرماتے ہیں۔ ان کو رزق بھی ان کے حسبِ حال اور حسب ضرورت دیا جاتا ہے... صحیح احادیث میں انبیاء علیہم السلام کے متعلق عبادات وغیرہ کا ذکر آتا ہے... بحث اس میں ہے کہ آیا یہ زندگی دنیوی زندگی ہے؟“

(مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۲۰)

جن علماء نے اسے دنیوی زندگی کہا ہے اُن کی مراد یہ ہے کہ دنیا والا جسم قبر میں حیات سے فائز ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے ان شاء اللہ۔ یہاں پر یہ سوال بھی ہے کہ سلفی صاحب نے یہ کتاب مولانا عنایت اللہ بخاری کی حمایت میں لکھی ہے تو کیا بخاری صاحب اور ان کے معتقدین کا یہی عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام فوت ہونے کے بعد زندہ ہیں اور عبادات کیا کرتے ہیں؟

## سلفی صاحب کی طرف سے احمد رضا خان کا شکریہ

سلفی صاحب ''حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بریلوی عقیدہ'' عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

''اس معاملہ میں مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی قابل شکریہ ہیں۔ انہوں نے موضوع کو وضاحت سے سامنے رکھا ہے دلیل ہو یا نہ ہو لیکن انہوں نے فرمانے میں کوئی لگی لپٹی نہیں رکھی۔''

(مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۲۱)

سلفی صاحب نے محدثین سے تو شکوہ کیا کہ انہوں نے موضوع کو صاف نہیں کیا اور نہ ہی اُن کا اپنا ذہن صاف تھا مگر اس کے برعکس بریلویوں کے اعلی حضرت جناب احمد رضا کا شکریہ ادا کیا۔

## دیوبندیوں کی بریلویوں سے ہم نوائی کا طعنہ

سلفی صاحب ''دیوبندیوں کی بریلویوں سے ہم نوائی'' عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''مولانا حسین احمد صاحب مرحوم مکاتیب میں فرماتے ہیں: ''آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت سی وجوہ سے اس سے قوی تر (اہ ص ۱۳۰ جلد ا) سنا ہے مولانا نانوتویؒ اور بعض اکابر دیوبند بھی اسی قسم کے حیات کے قائل تھے۔''

(مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۲۲)

(۱) سلفی صاحب اس رسالے میں جابجا یہی تاثر دیتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو حیات برزخی حاصل ہے جب کہ علمائے دیوبند حیات دنیوی کے قائل ہیں جو کہ غلط عقیدہ ہے اس کے بالمقابل عنایت اللہ شاہ بخاری کا عقیدہ درست ہے۔ حالاں کہ علمائے دیوبند نے ”حیات دنیوی“ کی وضاحت بیان کی ہوئی ہے کہ دنیاوالے جسم کو حیات حاصل ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”حضرات علمائے دیوبند کے نزدیک یہ حیات دنیویہ برزخیہ ہے۔ دنیویہ تو اس لیے کہ روح مبارک کا تعلق اس جسد اطہر سے ہے جو آپ کو دنیا میں حاصل تھا گو وہ حیاتِ اہلِ دنیا کے ادراک و شعور سے بالاتر ہے اور ولکن لا تشعرون کا مصداق ہے اور برزخیہ اس لیے ہے کہ برزخ میں ہے۔ ظاہر امر ہے کہ یہ حیات روح کی تو ہرگز نہیں ہو سکتی کیوں کہ روح پر تو موت نہیں آتی موت تو جسم پر وارد ہوتی ہے۔“(تسکین الصدور صفحہ ۴۳)

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی جو عبارت سلفی صاحب نے نقل کی ہے اس کی وضاحت میں حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”حضرت مدنیؒ کی مراد بظاہر حیات جسمانی اور دنیوی سے یہ ہے کہ آپ کی روح مبارک کا تعلق جسد مثالی سے قائم نہیں جیسا کہ بعض صوفیاء کرام کا نظریہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ وہ عذاب وثواب کے سلسلہ میں قبر میں روح کا تعلق جسدِ مثالی سے مانتے ہیں اور اسی طرح جنت کے عارضی ابدان سے بھی نہیں ہوتا جیسا کہ بعض صحیح روایات سے شہداء کے متعلق ثابت ہے کہ ان کی ارواح کا تعلق جنت کے سبز رنگ کے پرندوں سے قائم کر دیا جاتا ہے (فی جوف طیر خضر ) بلکہ روح کا تعلق دنیوی جسم سے قائم ہوتا ہے اور بایں معنیٰ یہ حیات جسمانی اور دنیوی ہے چنانچہ حضرت موصوفؒ وہابی فرقہ اور علماء دیوبند کے عقائد کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ (وہابی) وفات ظاہری کے بعد انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی اور بقائے علاقہ بین الروح والجسم کے منکر ہیں اور یہ (علماء دیوبند) حضرات صرف اس کے قائل ہی نہیں بلکہ مثبت بھی ہیں اور بڑے زور شور سے اس پر دلائل قائم کرتے ہوئے متعدد رسائل اس بارہ میں

تصنیف فرما کر شائع کر چکے ہیں۔ اھ "(نقش حیات جلد ۱ صفحہ ۱۰۳) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ موصوفؒ روح اور جسم کے علاقہ اور تعلق کی وجہ سے جسمانی اور دنیوی حیات کا لفظ اس پر اطلاق فرما رہے ہیں اور اس کی مزید تشریح حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے بیان سے ہوتی ہے چنانچہ حضرت ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ: انبیاء علیہم السلام کو ابدانِ دنیا کے حساب سے زندہ سمجھیں گے الخ (لطائف قاسمیہ صفحہ ۴) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ: انبیاء کرام علیہم السلام کو انہیں اجسام دنیوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں یہ نہیں کہ مثل شھدء ان ابدان کو چھوڑ کر اور ابدان سے تعلق ہو جاتا ہے اھ (لطائف قاسمی صفحہ ۳) حضرت نانوتویؒ نے اس عبارت میں صراحت سے یہ بیان فرما دیا ہے کہ جیسے شہداء کو دوسرے عارضی اجسام مرحمت ہوتے ہیں اور ان کی ارواح کا ان سے تعلق قائم کر دیا جاتا ہے (باوجود اس تعلق کے جو فی الجملہ ان کے ارواح کو ان کے اجسام عنصری سے بھی ہوتا ہے کما مر مفصلا) حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات کا یہ طریق نہیں ہے بلکہ ان کے ارواح کا تعلق ان کے ابدان دنیا سے ہوتا ہے اور اس لحاظ سے اس حیات کو دنیوی اور جسمانی کہتے ہیں۔" (تسکین الصدور صفحہ ۲۷۵،۲۷۶)

(۲) قبر کی زندگی کے متعلق بریلویوں کا کیا عقیدہ ہے وہ بھی سلفی صاحب کی زبانی ملاحظہ ہو:

"بریلوی حضرات کے نقطۂ نظر سے یہ مسئلہ اور بھی مشکل ہو جاتا ہے کیوں کہ وہ قبر میں بظاہر بعض تکلیفات شرعیہ کا بھی صلحائے امت کو مکلف سمجھتے ہیں۔ ازدواجی تعلقات کی کہانیاں بھی ان کے ہاں مروج اور متعارف ہیں۔"

(مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۵۴)

کیا علمائے دیوبند کا بھی یہی عقیدہ ہے؟ اُن سے ہم نوائی کا دعویٰ کس بنیاد پر ہے؟

(۳) سلفی صاحب نے بریلویوں سے ہم نوائی کا طعنہ تو دے دیا مگر یہ بتانے کی زحمت نہیں فرمائی کہ بریلوی اپنے مخصوص عقائد اور رسومات و بدعات میں مقلد ہیں یا غیر مقلد؟ حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"تمام بریلوی حضرات عقیدہ میں "غیر مقلد" ہیں۔" (علمی مقالات: ۲/۵۸۸)
مزید دیکھئے علمی مقالات: ۴/۴۰۷، ۴۰۶۔

سلفی صاحب نے تو بریلویوں کی ہم نوائی کا طعنہ دیا جب کہ داؤد ارشد غیر مقلد نے تو اس سے بڑھ کر اسے مرزا غلام احمد قادیانی کی تقلید قرار دیا:

"دیوبندی مکتب فکر میں حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عقیدہ مرزا غلام احمد قادیانی کی تقلید سے آیا ہے۔" (تحفہ حنفیہ صفحہ ۲۱۰)

سلفی صاحب دیوبندیوں کے نظریہ پر تبصرہ کرتے ہیں اور احمد رضا کا شکریہ بھی ادا فرماتے ہیں مگر اپنے غیر مقلدین کا عقیدہ حیات بیان کرنے اور اس پر مفصل تبصرہ کرنے سے کنارہ کش ہی رہے۔ اہلِ حدیث کہلوانے والوں کی عقیدہ حیات کے اثبات میں تحریروں کے لئے پیر جی سید مشتاق علی شاہ صاحب کی کتاب "مضامین پیر جی" ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت مولانا محمد سرفراز خان رحمہ اللہ کی کتاب "تسکین الصدور صفحہ ۲۶۲" اور بندہ کے مضمون "عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم" شائع شدہ مجلہ پیغام حق فیصل آباد میں بھی ایسے حوالہ جات منقول ہیں۔

(جاری ہے)

علامہ ساجد خان نقشبندی حفظہ اللہ

# تبلیغی جماعت پر سیفی حضرات کے مشہور اعتراض کا جواب[1]

قارئین کرام! سیفی حضرات کی طرف سے ایک مشہور اعتراض کیا جاتا ہے کہ تبلیغی بھائی کہتے ہیں کہ

"سب کچھ ہونے کا یقین اللہ سے مخلوق سے کچھ نہ ہونے کا یقین"

یہ معاذ اللہ جبریہ (ایک گمراہ فرقہ جو انسان کو مجبور محض سمجھتے ہیں) کا عقیدہ و نظریہ ہے اور تبلیغی جماعت معاذ اللہ جبریہ ہے۔ اگرچہ اہل حق کی طرف سے اسی وقت واضح کر دیا گیا تھا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے ارادے و مشیت سے ہوتا ہے حضرت مفتی ندیم صاحب مدظلہ العالی نے سیفیوں کے ساتھ مناظرہ میں کوہاٹ مرکز کی طرف سے اس پر وضاحت بھی پیش کی تھی اور اب تک باقاعدہ میں نے خود کئی بیانات میں شرکت کرکے تبلیغی بھائیوں کی طرف سے یہی سنا ہے کہ اللہ کے ارادے و مشیت سے سب کچھ ہونے کا یقین دل میں آجائے۔ لیکن یہاں ہم تبلیغی جماعت کے اس دعوتی جملے کی بہترین توجیہ خود مولوی غلام حضرت صاحب کے شاگرد مولوی آغا عبد الخالق فاتح سے پیش کرتے ہیں۔ فاتح صاحب لکھتے ہیں:

> "ہماری بعض عوام جنہیں اغیار نے دھوکا میں ڈالا ہوا ہے ان کے منہ سے بھی یہ بات سننے کو ملی کہ سب کچھ اللہ کرتا ہے مخلوق کچھ نہیں کر سکتی۔ یہ تو بہت خطرے کی بات ہے۔ لیکن بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا عقیدہ ٹھیک ہوتا ہے اور اس بات سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہر چیز اللہ کے ارادے سے ہوتی ہے اللہ کے ارادے کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا اگر اس بات کو سمجھ کر (یہ بات کہی جائے تو پھر) یہ تو بہت اچھا عقیدہ ہے"۔

(الاھتدا الی معرفۃ السنۃ العمیا، ص ۴۲، مکتبہ دار الاحناف پشین بلوچستان، پشتو سے اردو ترجمہ)

یعنی اگر کسی کا عقیدہ یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے ارادے سے سب کچھ ہوتا ہے تو یہ پھر بالکل

---

[1] یہ تحریر علامہ ساجد خان نقشبندی صاحب حفظہ اللہ کی فیس بک آئی ڈی سے لیا گیا ہے

ٹھیک اور خوبصورت بات ہے۔ لیکن افسوس عبد الخالق سیفی صاحب نے ایک بات کی درست توجیہ کرنے کے بعد بھی اپنے مسلکی تعصب سے مجبور ہو کر اس کے بعد لکھا کہ اگرچہ توجیہ درست ہے لیکن پھر بھی یہ الفاظ استعمال نہیں کرنے چاہئے حالانکہ خود سیفی صاحب اسی کتاب میں لکھتے ہیں:

"ہماری بعض عوام بھی یہ بات کہتی ہے کہ اللہ ہر جگہ ہے اور اس سے بے خبر ہیں (کہ یہ عقیدہ درست نہیں) لیکن چونکہ ہماری عوام کا عقیدہ ٹھیک ہے اس لئے ان کا مقصد اس جملے سے یہ نہیں ہوتا کہ معاذ اللہ اللہ تعالی حقیقۃ ہر جگہ میں ہے بلکہ مقصد مکان کی نفی ہوتی ہے اور ہر جگہ سے مراد ہر جگہ اس کی قدرت کا اثبات ہوتا ہے۔ لیکن عوام بیچاری اس علمی تعبیر کو ٹھیک طرح سے ادا نہیں کرپاتے باقی عقیدہ ان کا بالکل ٹھیک ہے اور جب عقیدہ بن جائے (یعنی درست ہو جائے) تو الفاظ پر مواخذہ نہیں ہوتا جیسا کہ ثانی ابن حجر علامہ انور شاکشمیری رحمہ اللہ نے فرمایا

(الاھتدا، ص ۳۲)

توجب خود مانتے ہو کہ عوام کا عقیدہ بنا ہوا ہے اور سب کچھ اللہ سے ہونے کا یقین کا مطلب اللہ کے ارادے سے ہونے کا یقین ہے تو پھر خواہ مخواہ اعتراض کرنے کی کیا ضرورت؟ جبکہ الفاظ پر شرعاً آپ کے نزدیک مواخذہ بھی نہیں۔ ورنہ جو عوام اللہ کو ہر جگہ مانتی ہے انہیں پھر معاذ اللہ مشبہ مجسمہ کہو اگر نہیں کہتے تو تبلیغی جماعت کے باب میں جبریہ کا الزام لگاتے ہوئے حیا کرنی چاہئے۔

مفتی رب نواز حفظہ اللہ تعالیٰ، مدیر اعلیٰ مجلہ الفتحیہ احمد پور شرقیہ قسط:۳

# سجدوں کے رفع یدین کا ثبوت، رئیس محمد ندوی غیر مقلد کی زبانی

## سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

رئیس محمد ندوی صاحب لکھتے ہیں:

''اب ہم مذکورہ بالا احادیث کی ایک اور متابع کا ذِکر کر رہے ہیں جو حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً مروی ہے اور اس کے مطابق حضرت ابو ہریرہ کا عمل بھی تھا۔ نیز اُن سے استفادہ کرنے والے عام تابعین بھی اس کے مقتضی پر عمل پیرا تھے۔''

(رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ نماز صفحہ ۳۶۵)

ندوی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرفع یدیہ فی الصلوٰۃ حذو منکبیہ حین یفتح الصلوٰۃ و حین یرکع و حین یسجد یعنی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ نماز میں بوقت تحریمہ و رکوع اور بوقت سجدہ رفع الیدین کرتے تھے۔ (رواہ ابن ماجۃ، شرح معانی الآثار للطحاوی: ۱/ ۶۳۱) اس حدیث کے سبھی رواۃ ثقہ ہیں البتہ اس کے ایک راوی اسماعیل بن عیاش جب غیر شامی رواۃ سے روایت کرتے ہیں تو وہ بلا متابع قابل استدلال نہیں ہوتی مگر اس کے معنوی متابع و شواہد بکثرت موجود ہیں جیسا کہ متعدد متابع و شواہد کا ذِکر ہوا اور متعدد کا ذِکر آگے آرہا ہے۔''

(رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ نماز صفحہ ۳۶۵)

## سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث

ندوی صاحب لکھتے ہیں:

''امام ابو داود نے کہا: نضر بن کثیر سعدی نے کہا کہ میری بغل میں عبد اللہ بن طاؤس نے مسجد خیف (مسجد منی) میں نماز پڑھی تو موصوف پہلے سجدہ سے سر اُٹھانے پر رفع الیدین کرتے

تھے۔ میں نے اسے منکر چیز سمجھ کر اس کا ذکر وہیب بن خالد سے کیا تو وہیب نے عبد اللہ بن طاؤس سے اس کا ذکر کیا عبد اللہ بن طاؤس نے کہا کہ میں نے اپنے باپ طاؤس کو ایسا ہی کرتے دیکھا اور میرے باپ کا کہنا ہے کہ ابن عباس کو میں نے ایسا ہی کرتے دیکھا اور میرا خیال ہے کہ ابن عباس نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ (سنن ابی داود مع عون المعبود ج ۱ص ۲۶۹، الکنی للدولابی ج ۱۹۸۱ و المحلی لابن حزم ج ۴ ص ۱۹۸) اس روایت کے بنیادی راوی نضر بن کثیر سعدی ازدی کی بابت امام ابن حبان کہا: یروی الموضوعات عن الثقات لا یجوز الاحتجاج بہ بحال یعنی موصوف نضر ثقہ رواۃ کے حوالہ سے موضوعات نقل کرتا تھا اس سے استدلال کسی حال میں بھی جائز نہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۱ص ۳۶۶) البتہ نصر بن کثیر سے روایت کرنے والوں میں امام احمد بن حنبل بھی ہیں جو صرف اپنے نزدیک ثقہ سے روایت کرتے ہیں اس لیے موصوف متروک نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ روایت مذکورہ غلط طور پر ذاتِ نبوی و ابن عباس و عبد اللہ بن طاؤس کی طرف منسوب ہوگئی ہے مگر اس کے بنیادی راوی نضر بالکل ہی غیر ثقہ نہیں بلکہ متابع ملنے پر قابلِ اعتبار ہیں۔"

(رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ نماز صفحہ ۳۶۶)

## سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث

ندوی صاحب لکھتے ہیں:

"اوپر حضرت انس کی مرفوع حدیث اس معنٰی و مفہوم کی گذر چکی ہے اب ذیل میں مرقوم موصوف کی موقوف حدیث ملاحظہ ہو جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اپنی روایت کردہ مرفوع حدیث کے متقضی پر موصوف عمل پیرا تھے جس سے مستفاد ہوتا ہے کہ حدیث مذکور مرفوعاً ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو: امام بخاری فرماتے ہیں کہ: حدثنا موسیٰ بن اسماعیل ثنا حماد بن سلمۃ عن یحیٰ بن ابی اسحاق قال رأیت انس بن مالک یرفع یدیہ بین السجدتین یعنی حضرت انس بن مالک دو سجدوں کے درمیان رفع الیدین کرتے تھے۔ (جزء رفع الیدین للبخاری مع جلاء العینین حدیث نمبر ۱۰۵ ص ۱۸۰ و مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ص ۲۷۱) امام

بخاری نے مذکورہ بالا حدیث کے سلسلے میں کہا کہ وحدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم اولی ”یعنی حدیث نبوی فعل انس کے بالمقابل زیادہ لائق عمل ہے۔ (جزء رفع الیدین ص ۱۸۰) یعنی کہ امام بخاری کو انس والی اس موقوف حدیث کی سند پر کسی قسم کا کوئی کلام نہیں ہے اور از روئے تحقیق اس پر کلام ہے بھی نہیں۔ اس کی سند معتبر ہے اور اپنے معنوی متابع سے مل کر زیادہ معتبر و قوی ہو جاتی ہے اور جہاں تک اس فرمانِ بخاری کا معاملہ ہے کہ ارشاد نبوی فعل انس کے بالمقابل زیادہ لائق عمل ہے تو حضرت انس سے نیز متعدد صحابہ سے اس حدیث کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہوتا متحقق ہے۔ ہم حضرت انس سے مفہوم کی مرفوع حدیث نبوی کا مروی ہونا نقل کر آئے ہیں جو اپنے معنوی متابع سے مل کر صحیح ہے۔“

(رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ نماز صفحہ ۳۶۷)

## سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث

ندوی صاحب لکھتے ہیں:

”عبید اللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن خطاب نے نافع سے نافع نے ابن عمر سے روایت کیا کہ موصوف ابن عمر نماز میں بوقت تحریمہ ور کوع رفع الیدین کرتے تھے، اسی طرح عبید اللہ مذکور نے زہری از سالم بن عبد اللہ بن عمر سے بھی روایت کیا اور امام وکیع نے عبید اللہ مذکور از نافع از ابن عمر اس حدیث کی نقل میں اضافہ کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کے وقت رفع الیدین کے ساتھ سجدہ کے وقت بھی رفع الیدین کرتے تھے۔ (جزء رفع الیدین للبخاری مع جلاء العینین حدیث نمبر ۸۰، ۸۱ ص ۱۵۵، ۱۵۴... والمحلی لابن حزم ج ۴ ص ۱۲۹، ۱۲۸) مذکورہ بالا حدیث کی سند صحیح ہے جس سے مستفاد ہوتا ہے کہ عبد اللہ بن عمر بن خطاب نے سجدہ کے وقت بھی تحریمہ و رکوع کے وقت طرح رفع الیدین والی حدیث نبوی کی روایت کر رکھی ہے اور موصوف ابن عمر اس پر عامل بھی تھے۔“

(رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ نماز صفحہ ۳۶۸)

## ایک اشکال اور اس کا جواب

ندوی صاحب لکھتے ہیں:

"بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ بوقت سجدہ رفع الیدین والی حدیث ابن عمر سے بواسطہ نافع روایت کرنے والے عمری عبید اللہ بن عمر بن عمر بن حفص عمری نہیں بلکہ ان کے بھائی عبد اللہ بن عمر بن حفص عمری ہیں جو عبید اللہ عمری کے بالمقابل ثقاہت میں کمتر ہیں مگر ہم کہتے ہیں کہ اوّلاً ہمارے نزدیک از روئے تحقیق اس سند میں واقع عمری عبید اللہ (بالتصغیر ای بالیاء) ہی ہیں جس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ابن ابی شیبہ نے کہا کہ:.... یعنی عبید اللہ (ابن عمر بن حفص بن عاصم عمری) نے نافع سے روایت کی کہ ابن عمر پہلے سجدہ سے سر اُٹھاتے وقت رفع الیدین کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ۲۷۱) اس روایت کی سند میں عمری سے مراد عبید اللہ (بالیہ صیغہ) ہونا واضح کر دیا گیا ہے اور اس کی سند عبید اللہ تک صحیح ہے کیوں کہ عبید اللہ و ابن ابی شیبہ کے درمیان صرف ابو اسامہ کا واسطہ ہے جو ثقہ و حجت ہیں اس لئے یہ مانے بغیر چارہ نہیں کہ روایت جزو رفع الیدین میں واقع عمری سے مراد یہی عبید اللہ عمری ہیں اور جزو رفع الیدین والی اور ابن ابی شیبہ والی روایت میں کوئی معنوی فرق نہیں ہے۔ ثانیا جزو رفع الیدین والی اس زیر نظر روایت میں واقع عمری اگر عبد اللہ (بغیر الیاء) بن عمر بن حفص بن عاصم ہی ہوں جو عبید اللہ کے بھائی ہیں تو موصوف اگرچہ عبید اللہ (بالیاء) کے بالمقابل ثقاہت میں کم تر ہیں پھر بھی کلی طور پر ساقط الاعتبار نہیں ہیں بلکہ عبید اللہ سے ثقاہت میں کم تر قرار دیتے ہوئے عام اہلِ علم نے ان کی توثیق کی ہے۔ بعض نے ایسے الفاظ میں تجریح کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ متابع ملنے کی صورت میں موصوف کی روایت کردہ حدیث معتبر ہو جاتی ہے اور موصوف عبد اللہ بغیر الیاء کی روایت کے معنوی متابع موجود ہیں۔ مزیز بر آں یہ کہ حافظ ابن حزم کی روایت میں بالصراحت عمری کی تعیین عبید اللہ بالیاء سے کر دی گئی ہے۔ اسی بنا پر حافظ ابن حزم نے اسے نقل کرنے کے بعد کہا کہ: هذه الاسناد لا داخلة فيه الخ یعنی اس سند میں کوئی بھی علت نہیں ہے۔ (المحلی ج ۴ ص ۱۲۹) المحلی کے محشی علامہ شاکر نے اس موقعہ پر جو تعلیق کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ روایت

مذکورہ کو عبید اللہ بالیاء کا روایت کرنا متحقق ہے اور یہ سند اصح الاسناد ہے اور اس کی تائید مزید عبید اللہ بالیاء کے بھائی عبد اللہ بغیر الیاء والی روایت سے بھی ہوتی ہے۔
(تعلیق شاکر بر المحلی ج۴ ص۱۲۹)"

(رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ نماز صفحہ ۳۶۹)

## امام بخاری رحمہ اللہ کی عبارت پر تبصرہ اور زیادتِ ثقہ کی مقبولیت

ندوی صاحب لکھتے ہیں:

"امام بخاری کی اس بات کا حاصل یہ ہے کہ بہت سارے رواۃ کی روایت کردہ یہ حدیث ابن عمر ہی محفوظ ہے کہ موصوف بوقت رکوع رفع الیدین کرتے تھے یعنی کہ بوقت سجدہ رفع الیدین نہیں کرتے تھے لیکن اگر عمری والی روایت صحیح ہو تو حقیقی طور پر وہ ان سارے رواۃ کے خلاف نہیں ہے اور عمری والی روایت مذکورہ ثابت ہونے کی صورت میں ہم دونوں ہی پر عمل کریں گے کیوں کہ کسی حدیث میں صحیح طور پر ثابت شدہ اضافہ مقبول ہوتا ہے یعنی کہ عمری والے اس اضافہ کے مطابق ہم سجدہ کے وقت بھی رفع الیدین کے قائل ہو جائیں گے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہماری مذکورہ بالا تحقیق سے عمری والے اضافہ کا متحقق طور پر ثابت و صحیح ہونا واضح ہے جس کے معنوی متابع بھی بہت ہیں۔ نیز بوقت سجدہ رفع الیدین کا ذِکر جس روایت کو امام بخاری محفوظ کہہ رہے ہیں اس کے بنیادی رواۃ میں سے نافع، طاؤس، ایوب سختیانی، مجاہد، عطاء، سالم، عبد اللہ بن دینار، قیس بن سعد، حسن بن مسلم، حسن بصری وغیرہ بھی ہیں اور یہ سارے کے سارے حضرات بوقت سجدہ بھی تحریمہ و رکوع کے وقت کی طرح رفع الیدین کرتے تھے... ظاہر ہے کہ ان حضرات کے نزدیک اگر بوقت سجدہ رفع الیدین والی حدیث محفوظ نہ ہوتی تو یہ لوگ اساطین علم و دین ہوتے ہوئے بوقت سجدہ رفع الیدین نہ کرتے۔"

(رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ نماز صفحہ ۳۶)

## ابن عمر سے بسند معتبر سجدوں کا رفع یدین مرفوعا وموقوفا مروی ہے

ندوی صاحب لکھتے ہیں:

”امام ایوب سختیانی سے مروی ہے کہ رأیت طاؤسا و نافعا یرفعان ایدیھما بین السجود قال حماد بن سلمۃ وکان ایوب یفعلہ یعنی طاؤس ونافع نیز ایوب سختیانی سجدہ کے درمیان رفع الیدین کرتے تھے۔ (المحلی لابن حزم ج ۴ ص ۱۳۰) اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ابن عمر سے بسند معتبر مرفوعا اور موقوفا دونوں طرح سے بوقت سجدہ رفع الیدین والی حدیث مروی ہے اور موقوف روایت مرفوع کی اور مرفوع موقوف کی متابع ہے اور اس مرفوع و موقوف روایت کی متعدد متابع و شواہد ہیں کما لایخفٰی۔ حافظ ابن حبان نے ثقات ج ۴ ص ۱، و حافظ بیہقی نے کتاب القراءۃ ص ۹۵، ۹۴ و حافظ ابن حجر نے النکت ص ۲۵۴ میں نیز عام اہلِ علم نے متابع و شاہد کے لئے جو شرائط بیان کی ہیں وہ ابن زبیر سے میمون مکی کی روایت کردہ حدیث کے لئے موجود ہیں۔“

(رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ نماز صفحہ ۳۷۰)

محترم محمد حذیفہ راجکوٹی حفظہ اللہ

# حضرت قاضی مظہر حسینؒ پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی "صحابیت" سے انکار کے الزام کا جواب

قارئین کرام! جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ ملت یزیدیہ کے حضرات کی گاڑی جھوٹ اور دروغ گوئی کے بغیر نہیں چل سکتی اسلئے کہ اگر یہ حضرات دروغ گوئی سے باز آجائیں تو ان کا پورا مذہب دھڑام سے نیچے آگرے گا جو کہ یہ حضرات ہر گز نہیں چاہتے، چنانچہ گزشتہ کل ایک یزیدی کی تحریر پڑھنے کو ملی جس میں اس نے قائد اہل سنت، وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب نور اللہ مرقدہ پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی "صحابیت" کا انکار کرنے کا الزام عائد کیا حالانکہ حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کی جس عبارات سے یہ حضرات اپنا من پسند معنی کشید کرتے ہیں اسے اگر آپ سیاق وسباق کے ساتھ خالی الذہن ہو کر پڑھیں تو ہر گز وہ معنی آپ کے ذہن میں نہیں آئے گا جسے یزیدی اپنے نفس کی تسکین کیلئے کشید کرتے ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ معنی خود حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کی تصریح کے خلاف ہے جو کہ خود اسی زیر بحث عبارت میں موجود ہے، اب میں آپ کے سامنے وہ مکمل عبارات مع سیاق وسباق پیش کرتا ہوں آپ اسے خود پڑھیں اور پھر اندازہ لگائیں کہ ملت یزیدیہ حضرات سے وابستہ کس طرح جھوٹ اور دجل سے کام لیتے ہیں، چنانچہ ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت قاضی رحمہ اللہ اپنی کتاب "خاجی فتنہ"، جلد اول کے اندر مولانا اسحاق سندیلوی صاحب کی کتاب سے "مشاجرات صحابہ" کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا مؤقف پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> "سندیلوی صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مؤقف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:"ان دستوری مسائل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نقطہ نظریہ تھا حق انتخاب خلیفہ بدری مہاجرین وانصار کے ساتھ مخصوص ہے چنانچہ جب صفین کے موقع پر بعض قراء عراق نے بیچ میں پڑ کر فریقین کے درمیان مصالحت کی کوشش شروع کی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے

یہ سوال کیا کہ ہم لوگوں کے مشورے کے بغیر ان کا انتخاب کیسے مکمل ہو گیا؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا:

انما الناس مع المهاجرين والانصار فهم شهود الناس على ولايتهم وامر دينهم رضوا وبايعوني

("البداية و النهاية" ج: 7،بيان واقعة صفين،ص:258)

سب لوگ (یعنی عام مسلمان) مہاجرین و انصار کے ساتھ ہیں کیونکہ یہی حضرات ان کی حکومت اور دینی امور کے بارے میں ان کے نمائندے ہیں اور وہ لوگ (مہاجرین و انصار) (میری خلافت پر) راضی ہوگئے ہیں اور انہوں نے مجھ سے بیعت کی) اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا کہ بہت سے مہاجرین و انصار یہاں (شام میں) بھی موجود ہیں ان کی شرکت اور ان کے ووٹوں کے بغیر انتخاب کو کیسے صحیح کہا جاسکتا ہے؟،جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "انما هذا اللبدريين دون غيرهم" (البداية النهاية، ج: 7،بيان واقعة صفين، ص: 258) یہ (انتخاب خلیفہ کا حق) صرف ان مہاجرین و انصار کو حاصل ہے جو غزوہ بدر میں شریک تھے اور کسی کو نہیں حاصل ہے" ان کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی رائے کا ماخذ سورہ توبہ پارہ 11 کی مندرجہ ذیل آیت تھی:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰ لِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ

(ترجمہ): مہاجرین و انصار میں سابقین اولین اور جن لوگوں نے خوبی کے ساتھ پیروی کی اللہ تعالیٰ ان سے اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔

وجہ استدلال و استنباط یہ ہے کہ آیت مہاجرین و انصار میں سے سابقین اولین کو سب مسلمانوں کا متبوع اور مقتدا قرار دے رہی ہے اور ان کی اتباع کو دوسرے مسلمانوں کیلئے رضائے الٰہی کا سبب ظاہر کر رہی ہے اس لئے نصب خلیفہ کے معاملے میں بھی وہی متبوع اور مقتدا سمجھے جائیں گے اور بدری ہی حضرات سابقون اولوں میں تھے، ان سے اول الذکر قول منقولہ بالا میں ان کی

دوسری دلیل یعنی تعامل کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے، حضرات خلفائے ثلاثہ کا انتخاب مہاجرین و انصار ہی نے کیا تھا، اس تعامل (Convention) میں تبدیلی کو وہ صحیح نہ سمجھتے تھے، شرعی زاویہ نظر سے ان کا مؤقف بالکل صحیح تھا اس پر کسی کو اعتراض کی گنجائش نہیں، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ بدلے ہوئے حالات میں حق انتخاب کا معیار بھی بدل گیا، اب نصب خلیفہ کے حق کو بدری اصحاب یا مہاجرین و انصار تک محدود نہیں رکھا جا سکتا، ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پیش نظر سورہ شوری کی یہ آیت تھی: "وامرھم شوری بینھم، ان کے (صحابہ کے) کام باہمی مشورہ سے انجام پاتے ہیں"، آیت عام ہے اور سب صحابہ کرام کو شامل ہے اس لئے امر خلافت جو بہت اہم امر ہے سب کے مشورے سے انجام پانا چاہیے اور مہاجرین و انصار کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام کو بھی شریک مشورہ کرنا چاہیے اس سے سب صحابہ کیلئے حق رائے دہی ثابت ہوتا ہے علاوہ بریں شہادت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے معلوم ہو گیا کہ مرکز کا تعلق صوبوں سے اور زیادہ قوی کرنے کی ضرورت ہے اور اس کی صورت یہی تھی کہ ہر جگہ کے دینی سربراہوں اور ارباب حل و عقد کو نمائندگی دی جائے تاکہ وہ انتخاب خلیفہ میں حصہ لے کر اپنی ذمہ داری زیادہ محسوس کریں اور مرکز کو ان کی وجہ سے قوت حاصل ہو (ص:413 تا 415)"

("خارجی فتنہ"، جلد اول، ص:350 تا 352)

یہاں تک ہم نے "خارجی فتنہ" سے مولانا اسحاق سندیلوی صاحب کی وہ عبارت پیش کی ہے جس میں انہوں حضرت علی و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے مؤقف اور ان کے دلائل کو ذکر کیا ہے اور دونوں کے اختلاف کی نوعیت کو واضح کیا ہے، اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے اس پر گرفت کرتے ہوئے جو تبصرہ کیا ہے وہ ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ "**الجواب**" کا عنوان لگا کر لکھتے ہیں کہ:

"خلیفہ راشد حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کا مؤقف اور استدلال پیش کرنے کے بعد سندیلوی

صاحب نے اعتراف کر لیا ہے کہ:

"شرعی زاویہ نظر سے ان کا مؤقف بالکل صحیح تھا اس پر کسی کو اعتراض کی گنجائش نہیں"

لیکن اس کے مقابلے میں آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مؤقف کو بھی صحیح سمجھتے ہیں حالانکہ حضرت علی المرتضیٰ کے استدلال قرآنی کا جواب سندیلوی صاحب قرآن سے نہیں دے سکے کیونکہ جو آیت سندیلوی صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع میں پیش کی ہے کہ: "صحابہ کے کام باہمی مشورہ سے انجام پاتے ہیں" اس کے متعلق انہوں نے ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے جواب میں فرمایا ہے کہ:

"اگر بالفرض ہم یہ بھی تسلیم کر لیں کہ ارکان منتظمہ کو شوریٰ کے بعد مقرر کرنا لازم ہے تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ اس کا باقاعدہ انتخاب (Election) ہونا چاہیے یہ صورت بھی تو ممکن ہے کہ خلیفہ ایک، دوم آدمیوں سے مشورہ کر کے ارکان مجلس منتظمہ کو مقرر کر دے، آیت تو شوریٰ یعنی مشورے کی تعلیم دے رہی ہے نہ کہ انتخاب (الیکشن) یا استصواب رائے عامہ کی، آیت سے انتخاب (الیکشن) پر استدلال عجیب وغریب استدلال ہے جو بالکل ناقابل فہم ہے۔

(اظہار حقیقت، جلد اول، ص:135)

فرمایئے! جب آیت شوریٰ کا تعلق استصواب رائے عامہ سے ہے ہی نہیں تو پھر آپ کیوں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے غلط وکالت کر کے آیت شوریٰ کو دوبارہ انتخاب عام کی دلیل میں پیش کر رہے ہیں؟، آپ حضرت علی المرتضیٰ کے قرآنی استدلال کا جواب کبھی نہیں دے سکتے، نص قرآنی کا جواب قیاسات سے نہیں دیا جا سکتا، لہٰذا ماننا پڑے گا کہ حضرت علی المرتضیٰ کا مؤقف حق وصواب پر تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اجتہادی غلطی ہو گئی"

("خارجی فتنہ"، جلد اول، ص:352)

یہاں تک حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے سندیلوی صاحب کی طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مؤقف کی دلیل کے طور پر پیش کی گئی آیت شوریٰ کا جواب دیا ہے اور اس بات کو ثابت کیا ہے کہ سندیلوی صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مؤقف کو "صواب" بتانے کیلئے جو آیت پیش کی ہے وہ خود سندیلوی

صاحب کی تصریح کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مؤقف کی دلیل نہیں بن سکتی جیسا کہ مذکورہ بالا بحث سے ظاہر ہے، آگے جاکر حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ، سندیلوی صاحب کی طرف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مؤقف کی دلیل کے طور پر سورہ توبہ کی جو آیت مبارکہ پیش کی گئی تھی، اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"حضرت علی المرضی نے سورہ توبہ کی آیت "والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار" پیش کی ہے یہ بھی اصولی طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مؤقفِ حق وصواب کی تائید کرتی ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالی نے تین طبقوں پر اپنے راضی ہونے کا اعلان فرمایا ہے (1) مہاجرین اولین (2) الانصار، ان دو طبقوں کا مقام معیاری ہے (3) تیسرا وہ طبقہ ہے جو مہاجرین وانصار کی پیروی خوش اسلوبی سے کرے (والذين اتبعوهم باحسان) اس تیسرے طبقے سے رضائے الہی مشروط ہے مہاجرین اولین اور انصار کی اچھے طریقے سے پیروی کرنے کے ساتھ "

("خارجی فتنہ"، جلد اول، ص:353)

یہاں تک حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مؤقف کی دلیل کے طور پر پیش کی گئی آیت مبارکہ کی وضاحت کی ہے، اس کے بعد حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے اس پر جو نتیجہ مرتب کیا ہے اسے بغور وخوض دیکھنے کی ضرورت ہے کیونکہ یزیدی حضرات، حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کی طرف سے آیت مبارکہ کی وضاحت تو پیش کرتے ہیں لیکن اس پر حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے جو نتیجہ مرتب کیا ہے اسے شیر مادر سمجھ کر پی جاتے ہیں اور عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہوئے جھوٹ بولتے ہیں کہ حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی "صحابیت" کا انکار کیا ہے، اب آیئے حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کی طرف سے آیت مبارکہ پر مرتب ہونے والا نتیجہ ملاحظہ فرمائیں۔

چنانچہ حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"اب سندیلوی صاحب ہی اپنے علم وفضل کا زور لگا کر جواب دیں کہ حضرت علی المرتضی مہاجرین اولین میں سے ہیں پھر ان کو موعودہ خلفائے راشدین میں سے چوتھا مقام حاصل ہے، حضرت

معاویہ رضی اللہ نہ تو مہاجرین میں ہیں اور نہ انصار میں، آپ تیسرے طبقے سے وابستہ ہیں، ان کیلئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پیروی لازم تھی بوجہ ان کے مہاجرین اولین میں ہونے اور بوجہ خلیفہ ہونے کے، بہر حال از روئے نص قرآنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پیروی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر لازم ہے لیکن بجائے پیروی کے انہوں نے مخالفت کی اور صرف زبانی مخالفت نہیں بلکہ بجائے اطاعت کے قتال کیا (خواہ دفاعی ہی ہو) تو اس صورت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مؤقف کون صحیح کہہ سکتا، لیکن اس کے برعکس سندیلوی صاحب تو جنگ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بہ نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اقرب الی الحق لکھ رہے ہیں، کیا سندیلوی صاحب قرآن سے معارضہ اور مقابلہ نہیں کر رہے؟، مسئلہ حالات کا نہیں مسئلہ نص قرآنی کے تقاضے کا ہے قرآن کا جواب قرآن سے چاہیے، اگر جواب نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی "اجتہادی خطاء" تسلیم کر کے نص قرآنی کے تقاضے پر عقیدہ رکھیں، اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کوئی تنقیص نہیں لازم آتی بلکہ اجتہادی خطاء کی وجہ سے وہ ایک گونہ ثواب کے ہی مستحق ہیں (ان حالات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ معذور تھے لیکن اب سندیلوی صاحب معذور نہیں ہیں)"

("خارجی فتنہ، جلد اول، ص:353)

قارئین کرام! یہ ہے وہ نتیجہ جو حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے سورہ توبہ کی آیت مبارکہ (وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۗ ذٰ لِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ) پر مرتب کیا ہے اب یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے مذکورہ آیت کی روشنی میں کیا نتیجہ مرتب کیا ہے؟

1) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی "صحابیت" کا انکار؟

2) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی "خطاء اجتہادی" کا اثبات؟

مذکورہ بالا نتیجہ پڑھنے سے ہر صاحب شعور آدمی یہ سمجھ سکتا ہے کہ حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے مذکورہ بالا آیت کی روشنی میں شق ثانی کو ثابت کیا ہے اور اسی کو نص قرآنی کا تقاضا قرار دیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ "حق" پر تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے "اجتہادی خطاء" ہوئی، لہذا حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کے بارے میں یہ کہنا کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی "صحابیت" کا انکار کیا ہے صریح بہتان اور کذب بیانی ہے اور ان کی اپنی تصریح کے خلاف ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے جیسا کہ مذکورہ بالا بحث سے ثابت ہو چکا ہے لہذا یزیدی حضرات کو چاہیے کہ خدا خوف کریں اور عبارات کو سیاق و سباق سے کاٹ کر عوام کے سامنے پیش کر کے انہیں اسلاف اور بزرگوں سے بدگمان نہ کریں، کیونکہ اگر عوام اسلاف سے بدگمان ہو گئی تو پھر ہر ملحد و زندیق انہیں شکار کر کے اپنے مقاصد کیلئے استعمال کر کے ان کی دنیا و آخرت برباد کر دے گا۔

یہاں ایک سوال یہ قائم ہو سکتا ہے کہ حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے سورہ توبہ کی آیت مبارکہ کی جو وضاحت اوپر پیش کی ہے صرف اسے پڑھنے سے جو نتیجہ ذہن میں آتا ہے وہ تو یہی آتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ (معاذ اللہ) صحابی نہیں تھے، پھر حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے اس آیت مبارکہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی "خطاء اجتہادی" کیونکر ثابت کی؟ حالانکہ بادی النظر میں اس سے کچھ اور ثابت ہو رہا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ آیت مبارکہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی "صحابیت" کے انکار پر دلیل پکڑنا یہ قرآن و حدیث کی نصوص متواترہ اور اجماع امت کے خلاف ہے اسلئے حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ اس آیت مبارکہ سے ایسا نتیجہ اخذ کیا جو قرآن و سنت کی نصوص متواترہ اور اجماع امت کے مطابق ہے اور یہی حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شان تھی، اللہ رب العزت ہمارے اکابر کی قبروں پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے ہمیں مسلک اہل السنت والجماعت پر سختی سے کاربند رہنے کی توفیق عطاء فرمائے، کیونکہ اسی میں بھلائی اور نجات ہے۔

عصمت اللہ نظامانی حفظہ اللہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

# علامہ شبلی نعمانیؒ کی سیرت النبیؐ پر بنیادی مؤاخذات

اصل مضمون شروع کرنے سے قبل دو باتیں بطورِ تمہید ملحوظ رہیں:

(1)۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کرنا، آپ ﷺ کی مبارک زندگی کے بارے میں جاننا، آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ، عادات، عبادات، غرض آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس سے وابستہ تمام چیزوں سے متعلق جاننے کے لیے جستجو کرنا، اور سیرتِ نبوی پر لکھی گئی کتابوں کا مطالعہ کرنا ایک عظیم نعمت ہونے کے ساتھ تمام مسلمانوں کی ایک اہم ذمہ داری بھی ہے۔ نیز حضور ﷺ کی محبت کا تقاضا بھی ہے کہ آپ کی سیرت کو پڑھا جائے، اور حتی المقدور اپنی زندگی اس کے مطابق گزارنے کی کوشش کی جائے۔

دوسری طرف اس بات کا لحاظ رکھنا بھی ازبس ضروری ہے کہ سیرت پر لکھی جس کتاب کا مطالعہ کیا جارہا ہے، آیا اس کے مصنف کی اپنی ذاتی آرا، شذوذات اور غیر محققانہ توجیہات تو اس میں ذکر نہیں؟ اس کا مصنف جمہور سے ہٹ کر کسی مخصوص نظریہ کا حامل یا غیروں سے ذہنی مرعوبیت کا شکار تو نہیں؟ تاکہ سیرت کا مطالعہ کرنے والے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کے بارے میں حقیقی معلومات حاصل ہوں، اور مصنف کے اپنی طرف سے پیش کردہ سیرت کے مصنوعی واختراعی خدوخال کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ قرار دینے کی غلطی سرزد نہ ہو۔

(2)۔۔۔ اس بات میں کوئی شک نہیں علامہ شبلی نعمانیؒ کی سیرت النبی اپنے موضوع پر ایک بہترین کتاب ہے، "سیرت" پر لکھی گئی کتابوں کے عام نہج سے ہٹ کر ایک تحقیقی کاوش ہے، جس میں ایک طرف وہ سیرت نگار کے روپ میں نظر آتے ہیں، تو کہیں نقاد، محدث اور ادیب کی صورت میں۔ مستشرقین کی سیرت طیبہ پر افتراء پردازی، بہتان تراشی اور دروغ گوئی کا روایۃً اور درایۃً عمدہ انداز میں ٹھوس دلائل کے ساتھ جواب دیا ہے۔ ان تمام خصوصیات کے باوجود اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ علامہ شبلی نعمانی نے بعض امور میں جمہور سے ہٹ کر ایسی آراء بھی ذکر کی ہیں جن کی دلائل سے تائید نہیں ہوتی، اور اپنے بعض تفردات وشذوذات بھی اس میں

درج کر دیئے ہیں جو عوام اور علمِ دین میں رسوخ و پختگی نہ رکھنے والے افراد کے لیے دینی اعتبار سے مضر ہو سکتے ہیں، تو ایسے امور کی نشاندہی ضروری معلوم ہوئی۔ لہٰذا ذیل میں علامہ شبلی نعمانی کی سیرت النبی پر چند بنیادی مؤاخذات ذکر کیے جاتے ہیں؛ تاکہ اس کا مطالعہ کرنے والا کاکسی گمراہی یا فکری کجروی وغیرہ میں مبتلا نہ ہو۔

## حضرت ابو طالب کے کفر سے متعلق بخاری کی روایت ضعیف قرار دینا

علامہ شبلی نعمانی کی رائے اور میلان حضرت ابو طالب کے اسلام لانے کی طرف ہے، اور انہوں نے حضرت ابو طالب کے کفر سے متعلق بخاری شریف کی روایت ضعیف قرار دینے کی کوشش کی ہے، چنانچہ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

"محدثانہ حیثیت سے بخاری کی روایت چنداں قابلِ حجت نہیں کہ اخیر راوی مسیّب ہیں جو فتحِ مکہ میں اسلام لائے اور ابو طالب کی وفات کے وقت موجود نہ تھے۔ اسی بنا پر علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ "روایت مرسل ہے"۔

(سیرت النبی، مؤلفہ علامہ شبلی نعمانی، (ا/168)، ادراہ اسلامیات، لاہور)

علامہ شبلی نعمانی کا "مسیّب" راوی کی وجہ سے یہ روایت قابلِ حجت نہ ماننا درحقیقت حضرات فقہاء و محدثین کے بیان کردہ اصول سے بے اعتنائی کا نتیجہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ "مسیّب" نامی یہ راوی صحابی ہیں[1]، اور صحابہ کرام کی مراسیل جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک حجت ہیں۔ چنانچہ خطیب بغدادی تحریر فرماتے ہیں:

فإن كان من مراسيل الصحابة قبل ووجب العمل به لأن الصحابة مقطوع بعدالتهم، فإرسال بعضهم عن بعض صحيح. [2]

ترجمہ: اگر حدیث صحابہ کی مرسل روایات میں سے ہو تو وہ مقبول ہو گی، اور اس پر عمل کرنا واجب ہو گا؛ کیونکہ تمام صحابہ کرام کا عادل ہونا قطعی طور پر ثابت ہے، لہٰذا ان میں سے بعض کا بعض سے مرسل روایت کرنا صحیح ہو گا۔

امام سرخسی رقم طراز ہیں:

ولا خلاف بين العلماء في مراسيل الصحابة رضي الله عنهم أنها حجة۔ [3]

یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مرسل روایات قبول کرنے سے متعلق اہلِ علم کا کوئی اختلاف نہیں کہ وہ حجت ہیں۔

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں:

مراسيل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم مقبولة عند الجمهور.[4]

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی مرسل روایات جمہور کے نزدیک مقبول ہیں۔

اسی طرح بہت سے فقہاء و محدثین نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ صحابہ کرام کی مرسل روایات مقبول اور قابلِ احتجاج ہیں، اگر صحابی کوئی روایت بالواسطہ سنے، اور اس واسطے کا ذکر نہ کرے، تب بھی وہ روایت مقبول ہوگی۔[5]

لہٰذا علامہ شبلی نعمانی کا حضرت مسیّبؓ کی وجہ سے بخاری شریف کی مذکورہ روایت کو ناقابلِ حجت قرار دینا درست نہیں۔

## ذبحِ اسماعیلؑ کے حکم کا انکار

علامہ شبلی نعمانی نے سیرت النبی میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حقیقتاً ذبح کرنے سے متعلق حکم کا انکار کیا ہے، ان کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ حقیقتاً حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کریں، بلکہ انہیں تو ان کی "قربانی" کا حکم دیا گیا تھا، اور قربانی سے مراد علامہ شبلی نعمانی کے نزدیک "حقیقی ذبح" نہیں، بلکہ خانۂ خدا کے لیے وقف کرنا ہے۔ اور حضرت ابراہیمؑ کا اپنے خواب کو تمثیلی سمجھنے کا بجائے "ذبح حقیقی" سمجھنا ان کی اجتہادی غلطی تھی۔

چنانچہ علامہ شبلی نعمانی فرماتے ہیں:

"حضرت ابراہیمؑ کو خواب میں اپنے بیٹے کی قربانی کا جو حکم ہوا تھا، اس سے بھی یہی مراد تھی کہ بیٹے کو معبد کی خدمت کے لیے نذر چڑھادیں"۔ (سیرت النبی، مؤلفہ علامہ شبلی نعمانی، ا/106)

اور دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت ابراہیمؑ کو جو خواب دکھایا گیا تھا، اس سے مراد یہ تھی کہ بیٹے کو کعبہ کی خدمت کے لیے

چڑھادیں، یعنی وہ کسی اور شغل میں مصروف نہ ہوں۔۔۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس خواب کو عینی خیال کیا اور بعینہ اس کی تعمیل کرنی چاہی، گویہ خیال اجتہادی غلطی تھی، جو انبیاء سے ہو سکتی ہے (گو یہ غلطی قائم نہیں رہتی، بلکہ خدا اس پر متنبہ کر دیتا ہے) اس بنا پر گو حضرت ابراہیمؑ اس فعل سے روک دیئے گئے، لیکن خدا نے ان کی حسنِ نیت کی قدر کی"۔

(سیرت النبی، مؤلفہ شبلی نعمانی، 1/112-111)

لیکن اگر قرآن پاک کی آیات اور احادیث پر گہری نظر ڈالی جائے تو معلوم ہو گا کہ "قربانی" سے "ذبح حقیقی" کے بجائے خانۂ خدا کی خدمت کے وقف کرنا مراد لینا ہرگز درست نہیں۔ چنانچہ سورت "صافات" میں ہے۔

{وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَاإِبْرَاهِيمُ (104) قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ (105) إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ (106)}

ترجمہ: اور ہم نے انہیں آواز دی کہ: اے ابراہیم! تم نے خواب کو سچ کر دکھایا۔ یقیناً ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح صلہ دیتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک کھلا ہوا امتحان تھا۔

(آسان ترجمہ قرآن از مفتی تقی عثمانی، ص: 951)

ان آیات میں یہ فرمانا کہ "خواب کو سچ کر دکھایا"، اسی طرح یہ ارشاد "یہ ایک کھلا ہوا امتحان تھا" وغیرہ سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو حقیقتاً ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا، یہ مراد نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا بیٹا کعبہ کی خدمت کے لیے وقف کرنے کا حکم دیا گیا۔

نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے بیٹے کو حقیقتاً ذبح کرنے کے لیے تیار ہونا ان کی اجتہادی غلطی نہیں تھی، جیسا کہ علامہ شبلی نعمانی کا خیال ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجاآوری تھی۔

## احادیث کی تحقیق میں غیر محققانہ انداز

علامہ شبلی نعمانی نے سیرت النبی میں متعدد مقامات پر احادیث کی تحقیق میں غیر محققانہ انداز اپنایا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بخاری و مسلم کی احادیث پر بھی ضعف کا حکم لگایا ہے، مثلاً ایک جگہ علامہ شبلی نعمانی تحریر فرماتے ہیں:

"صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بنو المصطلق پر اس حالت میں حملہ کیا

کہ وہ بالکل بے خبر اور غافل تھے اور اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے۔۔۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ صحیحین کی روایت بھی اصولِ حدیث کے رُو سے قابلِ حجت نہیں کہ اس روایت کا سلسلہ نافع تک پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے، اور جنگ میں شریک ہونا تو ایک طرف، نافع نے آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کو دیکھا بھی نہ تھا، اس لیے یہ روایت اصطلاحِ محدثین میں منقطع ہے"۔

(سیرت النبی، مؤلفہ شبلی نعمانی، ا/259)

علامہ شبلی نعمانیؒ نے بخاری و مسلم کی یہ روایت منقطع قرار دی ہے، اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس روایت کا سلسلۂ سند حضرت نافع تک ختم ہو جاتا ہے، لیکن اگر ہم اصل کتابوں کی طرف مراجعت کریں تو معلوم ہو گا کہ یہ سلسلہ حضرت نافع تک ختم نہیں ہوتا، بلکہ حضرت نافع یہ روایت حضرت عبد اللہ بن عمر سے بیان کرتے ہیں، لہٰذا یہ روایت منقطع نہ ہوئی۔ چنانچہ بخاری و مسلم کی روایت ملاحظہ ہو۔

كتبت إلى نافع، فكتب إلي «إن النبي صلى الله عليه وسلم أغار على بني المصطلق وهم غارون، وأنعامهم تسقى على الماء، فقتل مقاتلتهم، وسبى ذراريهم، وأصاب يومئذ جويرية»، حدثني به عبد الله بن عمر، وكان في ذلك الجيش. (6)

ترجمہ: راوی ابنِ عون کہتے ہیں کہ میں ایک مسئلہ کے بارے میں حضرت نافع کو خط لکھا، اس کا جواب حضرت نافع نے یہ لکھا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنو مصطلق پر حملہ کیا، اس حال میں کہ وہ غافل تھے، اور اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے، تو ان کے جنگجوؤں کو قتل کیا، اور ان کے عیال کو قید کیا، اور اس دن حضرت جویریہؓ بھی قید ہو کر آئی تھیں۔ حضرت نافع کہتے ہیں کہ یہ حدیث مجھ سے حضرت عبد اللہ بن عمر نے بیان کی، اور وہ خود اس لشکر میں موجود تھے۔

لہٰذا حضرت نافع کی اس تصریح "حدثني به عبد الله بن عمر، وكان في ذلك الجيش"(یہ حدیث مجھ سے حضرت عبد اللہ بن عمر نے بیان کی، اور وہ خود اس لشکر میں موجود تھے) کے باوجود علامہ شبلی نعمانی کا اس روایت کو منقطع قرار دینا، اور یہ کہنا کہ "اس روایت کا سلسلہ نافع تک پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے" احادیث کی تحقیق کے سلسلے میں علامہ شبلی نعمانی کے غیر محققانہ انداز پر واضح دلیل ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو مصطلق پر غفلت کی حالت میں کسی طرح حملہ کیا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ جن کفار تک اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہو، جنگ سے پہلے ان کو دوبارہ اسلام کی دعوت دینا واجب نہیں، اور قبیلہ بنو مصطلق کو اسلام کی دعوت چونکہ پہنچ چکی تھی[7]، لہٰذا ان پر اچانک حملہ کرنا کوئی قابلِ مذمت فعل نہیں ہوا، بلکہ بسا اوقات جنگ سے قبل دشمنانِ اسلام کو اپنی آمد سے آگاہ کرنا جنگی قاعدے کے حساب سے عقلمندی نہیں ہوتی۔ لہٰذا آپ ﷺ کا ان پر اس طرح حملہ کرنا مصلحت کا تقاضا اور جنگی حکمت عملی کے عین مطابق تھا۔

## غزوۂ بدر کے سبب سے متعلق جمہور سے ہٹ کر رائے

جمہور مؤرخین وسیرت نگاروں کے کلام اور متعدد احادیث کی روشنی سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ غزوۂ بدر کا سبب مشرکینِ مکہ کے کاروانِ تجارت پر حملہ کرنا تھا، لیکن وہ قافلہ مسلمانوں کے حملے سے بچ نکلا، اور پھر قریشِ مکہ کا ایک بڑا لشکر مقامِ بدر میں مسلمانوں سے جنگ کی نیت سے آکر ٹھہرا، اس طرح مسلمانوں اور کفارِ مکہ کے درمیاں مقامِ بدر میں لڑائی ہوئی، جسے غزوۂ بدر کے نام سے یاد جاتا ہے۔

لیکن علامہ شبلی نعمانی کے بقول مسلمانوں نے تجارت کے قافلے پر حملہ کا ارادہ نہیں کیا تھا، بلکہ جب انہیں مشرکینِ مکہ کے لشکر کی آمد کا علم ہوا تو وہ اپنی حفاظت کی خاطر مقامِ بدر کی طرف چل پڑے۔ جیساکہ علامہ شبلی نعمانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"غزوۂ بدر کا سبب کاروانِ تجارت پر حملہ کرنا نہ تھا"۔ (سیرت النبی، ا/230)

اس طرح یہ ایک دفاعی جہاد ہوا، اقدامی جہاد نہ ہوا۔ لیکن جمہور کے نزدیک اصل سبب تجارت کے قافلے پر حملہ کرنا ہی تھا، جیساکہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ مندرجہ ذیل روایت میں ہے:

لم أتخلف عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في غزوة غزاها إلا في غزوة تبوك، غير أني تخلفت عن غزوة بدر، ولم يعاتب أحد تخلف عنها، إنما «خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم يريد عير قريش، حتى جمع الله بينهم وبين عدوهم على غير ميعاد». [8]

ترجمہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں سے غزوۂ تبوک کے علاوہ کسی غزوۂ میں پیچھے نہیں رہا۔ اور ہاں غزوۂ بدر میں بھی پیچھے رہ گیا تھا، لیکن اس میں شریک نہ ہونے والوں میں سے کسی پر عتاب نہیں ہوا تھا؛ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو صرف قریش کے قافلۂ تجارت کی خاطر نکلے تھے، یہاں تک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں اور ان کے دشمنوں کے درمیاں اچانک مقابلہ کرادیا۔

اس روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی نے تصریح فرمائی ہے کہ نبی کریم ﷺ قریش کے قافلۂ تجارت کی خاطر مدینے سے نکلے تھے، ان سے جنگ کرنا ابتداءً مقصود نہیں تھا، البتہ بعد میں اچانک ان سے جنگ چھڑ گئی۔ لہٰذا علامہ شبلی نعمانی کی یہ رائے کہ غزوۂ بدر کا اصل سبب کاروانِ تجارت پر حملہ نہیں، بلکہ قریش کے حملہ کا دفاع تھا، درست نہیں۔ اس رائے سے متعلق مولانا ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں:

"علامہ شبلی کا یہ خیال تمام محدثین اور مفسرین کی تصریحات، بلکہ تمام صحیح اور صریح روایات کے خلاف ہے"۔

(سیرت مصطفی، مؤلفہ مولانا ادریس کاندھلوی، (2/153)، ناشر: کتب خانہ مظہری)

## خلاصۂ کلام:

خلاصہ یہ ہے کہ علامہ شبلی نعمانیؒ کی سیرت النبی ایک عمدہ کتاب ہے، اور کافی حد تک تحقیقی انداز میں لکھی گئی ہے، تاہم ان کے بعض غیر محققانہ اقوال، ذاتی آراء اور جمہور سے ہٹ کر شذوذات و تفردات بھی اس میں آگئے ہیں، جن میں سے چند ایک اوپر ذکر کردیئے گئے ہیں، لہٰذا علامہ شبلی نعمانیؒ کی سیرت النبی کا مطالعہ کرتے وقت یہ بات ذہن نشین رکھنا ضروری ہے۔

# حواشی وحوالہ جات

(1 ) تاریخ دمشق لابن عساکر، (181/58)، الناشر:دار الفکر، ط:1415ه- 1995م
(2 ) الفقیه والمتفقه للخطیب البغدادی، (291/1)، الناشر: دار ابن الجوزی- السعودیة، ط:1421ه

(3 ) أصول السرخسی، (359/1)، الناشر: دار المعرفة، بیروت
(4 ) روضة الناظر وجنة المناظر لابن قدامة، (363/1)، الناشر: مؤسسة الریان للطباعة والنشر، ط:1423ه- 2002م

(5 ) تدریب الراوي للسیوطي، (234/1)، الناشر: دار طیبة
(6 ) صحیح البخاری، کتاب العتق، باب من ملك من العرب رقیقاً فوهب وباع، (148/3)، رقم الحدیث:2541، الناشر: دار طوق النجاة، ط:1422ه – وصحیح مسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب جواز الإغارة علی الکفار الذین بلغتهم دعوة الإسلام، (1356/3)، رقم الحدیث:1730، الناشر: دار إحیاء التراث العربي، بیروت

(7 ) المنهاج شرح صحیح مسلم بن حجاج للنووی، (36/12)، الناشر: دار إحیاء التراث العربي، بیروت

(8 ) صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب قصة غزوة بدر، (72/5)، رقم الحدیث: 3951

محترم عدنان فاروقی حفظہ اللہ قسط:۲

# القول المبین فی رد الحق المبین المعروف الحق المبین کے دفاع کا رد بلیغ

## اعتراض ثانی بر تکفیر حضرت نانوتویؒ

مؤلف نے ''دست و گریباں کی حقانیت'' اور ''ختم نبوت اور صاحب تحذیر الناس'' از علامہ ابو ایوب قادری صاحب کا حوالہ دیاہیں جس میں موجود ہیں کہ ''ہندوستان کے ارباب علم نے تکفیر نہیں کی'' اس پر مؤلف تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہے:

''ہمارے معاند کہنا چاہتے ہیں کہ اعلی حضرت سے قبل نانوتوی صاحب سے علمی اختلاف تو ہوا مگر تکفیر نہیں کی گئی جس ہم پہلے ہی حوالہ جات پیش کرچکے ہیں کہ نانوتوی صاحب سے صرف اختلاف ہی نہیں بلکہ ان کی تکفیر بھی کی گئی، اب اس ٹھوس حقیقت سے انکار تو ممکن نہیں مگر فرار(کا) دوسرا راستہ ڈھونڈتے ہوئے ہمارے معاندین کی ٹیم لکھتی ہے: اس کو بھی دجل کرکے جھوٹ بناڈالا حالانکہ رضاخانی نے حوالہ بھی ادھورا پیش کیا اور خوامخواہ دجل کیا. ہم پورا حوالہ نقل کرتیں ہیں. میں ان لوگوں کو اہل ایمان کا رہنما جانتا ہوں

(قاسم العلوم ص308،309)

حضرت کے صبر کا اللہ نے یہ صلہ دیا کہ سوائے چند ضدی مطلب پرست لوگوں کے باقی سب نے ان میں سے اکثر نے اپنی غلطی تسلیم کیا(حضرت نانوتوی اور خدمات ختم نبوت ص332)
ملاحظہ فرمائیں اس حوالے میں تو ہے کہ تقریبا سب نے رجوع کرلیا تھا

(دست و گریباں کا تحقیقی جائزہ ص134)

قارئین کرام! ہم پہ دجل کا الزام لگانے والے خود اس عمل قبیح کے مرتکب ہوئے ہیں اس لئے کہ اصل حوالہ قاسم العلوم سے نقل کیا گیا تھا اور دوسری کتاب کا حوالہ بھی ضمناً تھا اور

قاسم العلوم اس جگہ کسی قسم کے رجوع کی بات نہیں. پھر اس جگہ معاندین نے تسلیم کی ہے کہ تکفیر ہوئی ہے، جبکہ ایوب صاحب نفس تکفیر کے ہی منکر تھے مگر الحمد للہ ہمارے مضبوط دلائل سے ہمارے معاندین نے یہ بات تسلیم کرلی ہے کہ تکفیر ہوئی تھی رہ گئی یہ بات کہ رجوع کرلیا تھا اس کو کچھ اہمیت نہیں۔ اولا اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ رجوع کا یہ قول بغیر کسی حوالے کے ہے"

(الحق المبین کی حقانیت)

## الجواب:

حضرت ابو ایوب صاحب اور احتشام انجم صاحب اور صفحہ 14 پر علامہ ساجد خان صاحب کی کتاب "نواب احمد رضا خان" کا حوالہ پیش کیا ہے جس سے مؤلف کو کچھ حاصل نہیں اس لئے انہوں نے بطور الزام کہا ہے اور جناب کے گھر کا اصول ہے کہ الزامی حوالہ پیش نہیں کیا جاسکتا۔

چنانچہ مولوی اختر رضا خان لکھتے ہیں:

"اس کتاب میں سارے اختلافات و تضادات وہابی دیوبندی اصول و انداز کو سامنے رکھ کر بطور الزامی جواب پیش کئے ہیں. لہذا اس تحریر کو اہل سنت کے خلاف نہیں پیش کیا جاسکتا"

(قہر خداوندی جلد 1 ص 52 بحوالہ دست و گریباں کی حقانیت ص 630)

رہا مؤلف کا یہ قول کہ "ایوب صاحب نفس تکفیر کے ہی منکر تھے" تو عرض ہے کہ اس سے مراد التزامی کفر اور وہ تکفیر ہے جو احمد رضا نے کی جس کے بارے میں بریلوی اجماعیت کا دعوی کرتے ہیں۔ کہ ان اکابر اربعہ کے کفر پہ اجماع ہو چکا ہے۔یعنی قادری صاحب التزامی تکفیر اور احمد رضا کی حسامی تکفیر کے منکر ہیں۔ جبکہ مؤلف "دست و گریباں کی حقانیت" اور دیگر حضرات نے جہاں مانا اس سے مراد تکفیر لزومی ہے،لہذا دونوں میں کچھ تضاد نہیں۔

پھر رجوع کے متعلق کہتا ہے کہ اس کی کچھ اہمیت نہیں اس لئے بغیر حوالے کے ہے۔ جبکہ جناب کو اپنے اکابر کے رجوع کے وقت یہ بات یاد نہیں رہتا۔ چنانچہ مولوی محمد صدیق فانی مولوی حشمت علی خان کے بارے میں

لکھتے ہیں:

”مگر انہوں نے پاکستان بننے کے بعد اپنے فتاوی سے رجوع کر لیا تھا توبہ کے بعد کسی شخص کو بدنام کرنے کے لئے اس کے سابقہ گناہوں کو منظر عام پر لانا جہالت کے سوا کچھ نہیں“

(انوار احناف ص80 طبع گجرات)

فانی صاحب نے حشمت علی کے رجوع پر کوئی حوالہ پیش نہیں کیا جب تم بغیر حوالے کے رجوع ثابت کر سکتے ہو تو ہم نے کیا تو جناب کو تکلیف ہوئی۔ رہا دست و گریباں جلد 3 کا حوالہ کہ رجوع اسی صاحب سے دکھایا جائے۔ تو اس حوالے سے عرض یہ ہے کہ دست و گریباں کی یہ بات الزامی ہے کیونکہ یہ الزامی کتاب ہے لہذا اس کا کوئی اصول ہمارے خلاف اختری اصول سے پیش نہیں ہو سکتا۔

## باب اول کا تنقیدی جائزہ

قارئین! ہم نے اپنی کتاب میں یہ بات کی تھی کہ بقول بریلویوں کے اصل اختلاف فقط تین عبارات پہ ہے، لہذا باقی اختلافات عبس ہیں۔ اس پر فاضل موصوف نے یہ کہا کہ جن حضرات کے اختلاف تین عبارات پر ہے کا قول ہے وہ بنیادی اختلاف کی بات ہے اس سے دیگر اختلافات کی نفی نہیں ہوتی۔ پھر کہا کہ دیوبندی بریلوی اختلاف تین قسم کا ہے: اول عبارات، دوم عقائد، اور سوم اعمال کا جیسا کہ ارشد القادری صاحب نے اپنی کتاب الانصاف میں تفصیل کی ہے۔ پھر داستان فرار سے بھی یہی دکھایا کہ اختلاف ان تین قسم پر ہے۔ یوں باور کرایا کہ اختلاف کو صرف تین عبارات پر ماننا محض لغو ہے۔ (الحق المبین کی حقانیت)

### الجواب:

قارئین کرام! ہمارے مخاطب اپنی کتب بھی صحیح نہیں پڑھتے۔ چنانچہ ہم نے جو حوالے پیش کیے تھے ان سے صاف ظاہر تھا کہ اصل اختلاف ہی تین عبارات پر ہے، لہذا باقی اختلافات فروعی قسم کے ہیں۔ چنانچہ بریلوی علما کی مصدقہ کتاب میں یوں لکھا ہے کہ:

”بریلوی دیوبندی (اہل سنت و جماعت) کی صلح کلیت (اتحاد و اتفاق) کے درمیان اصل اختلاف

کا باعث تین دیو بندی علماء کی کتابوں میں سے چند سطری تین کفریہ عبارات ہیں"(معرفت ص 8)

اس حوالے سے صاف معلوم ہوا کہ دیو بندی بھی اہل سنت و جماعت میں داخل ہیں اگر ان تین کفریہ عبارات کو حل کر لیا جائے. یعنی اصل عبارات کا اختلاف انہیں تین عبارات میں پوشیدہ ہے ورنہ دیو بندی بھی اہل سنت ہی ہیں۔

معلوم ہوا کہ اگر یہ تین عبارات کو حل کر لیں تو ہم دیو بندی سنی ہی ہوں گے ،اب رہا باقی دو قسم کا اختلاف تو وہ محض فروعی ہے اور اس اختلاف سے بھی ہم اہل سنت سے خارج نہ ہوں گے .اسی کتاب میں " قل ،چہلم ،دسواں ،عرس ،گیارہویں ،نذر و نیاز ،میلاد وغیرہ کو مستحبات میں داخل کیا ہے ۔اور علم غیب ،حاضر وناظر ،نورو بشر ،استمداد وغیرہ کے عقائد کو فروعی مسائل میں داخل کیا ہے۔(معرفت ص 7)

اسی کتاب کے اگلے صفحہ پر لکھتے ہیں کہ:

"فروعی مسائل میں بھی اختلاف صرف اور صرف سمجھنے اور سمجھانے کے انداز پر ہے ورنہ اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں"

(معرفت ص 8)

لیجئے مستحب کے انکار اور فروعی مسائل کے اختلاف سے کوئی اہل سنت سے خارج نہیں ہوتا، نیز عقائد کا اختلاف بھی سمجھنے سمجھانے کا ہے ورنہ اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔پس ہمارا اٹھایا گیا اعتراض تو جوں کا توں قائم ہے جسے موصوف حل تک نہ کر سکے ، نیز اسی کتاب میں موجود عبارت حرف آخر ہے جسے ہم پیش کیے دیتے ہیں:

"کچھ دیو بندی حضرات کہتے ہیں کہ یہ باتیں ہمارے ساتھ غلط منسوب ہیں. اگر ایسی بات ہے تو اپنی کتابوں سے یہ عبارات حذف کر دیں تو بریلوی اور دیو بندی دونوں اہل سنت وجماعت ہیں"(معرفت ص 101)

لیجئے بات ہی ختم ہو گئی ہمارے سنی ہونے میں بقول مصنف ایک عبارات کا اختلاف ہی حائل ہے اگر یہ

عبارات نکال دی جائیں تو ہم سنی ہیں. لہذا ہمارے فاضل مخاطب کے باقی دو اقسام کے اختلاف کو چھیڑنا بھی ہمیں اہل سنت سے خارج نہیں کرتا۔

## داستان فرار کا پیش کردہ حوالہ

اب رہی داستان فرار کے حوالہ کی بات تو اول تو ہم نے آپ کے گھر سے حوالے پیش کیے تھے جو کہ آپ کے اصول تھے لہذا اس الزامی حوالوں پر دیوبندی گھر سے حوالے پیش کرنا نادرست ہے۔

چنانچہ خود ارشد مسعود صاحب لکھتے ہیں

> ''ان حوالوں سے ثابت ہوا کہ دیوبندیوں کے نزدیک اپنے اکابرین کے ملفوظات انتہائی معتبر و مستند ہیں اور وہ انہیں صحبت شیخ کا نعم البدل قرار دیتے ہیں، لہذا موصوف کا احمد علی لاہوری کے ملفوظات کو ہمارے اصول سے غیر معتبر و غیر مستند قرار دینا درست نہیں، اس کی آسان مثال یوں سمجھ لیں کہ سنی شیعہ کے مابین مناظرہ میں سنی بطور الزام شیعہ کتب کا حوالے دے، اور شیعہ اس کے جواب میں یہ کہے کہ آپ ان کتابوں کو جن کا حوالہ دے رہے ہیں معتبر نہیں سمجھے ،لہذا استدلال درست نہیں، کیا اس شیعہ کا ایسا کہنا درست ہو گا؟ دیوبندی موصوف کی روش بھی اسی شیعہ جیسی ہے جب ان کی کتاب پیش کی گئی تو موصوف کہہ دیا کہ آپ ملفوظات کو غیر معتبر سمجھتے ہیں، الغرض موصوف کے پاس اس حوالے کا کوئی جواب نہیں''
>
> (کشف القناع جلد 3 ص222)

ہم بھی یہی تبصرہ کرتے ہیں کہ جب ہم نے آپ کی کتابیں پیش کیں تو آپ نے داستان فرار پیش کر دی جو کہ ارشد مسعود کے اس اصل سے نادرست اور غلط حرکت ہے نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ جناب کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں ہے۔

## ناکام دفاع

ہم نے اپنی کتاب میں کاظمی صاحب کی حیثیت ان کے اپنے مسلک سے دکھایا کہ ان کے ہم مسلک کاظمی کے

متعلق کہتے ہیں کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گناہ گار قرار دیا ہے، بدمذہب کی تعظیم کی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت پر نکتہ چینی کی ہے اور کاظمی کی تقاریر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی ہوتی ہے. یہ ساری باتیں ہم نے بریلوی کرنل انور مدنی کی کتاب "پیر کرم شاہ کی کرم فرمائیاں" سے نقل کیا ہے۔ مؤلف اس کا جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہے:

"اس کے بعد ہمارے معاند نے غزالی زماں حضرت علامہ سعید کاظمی کے خلاف پیر کرم شاہ کی کرم فرمائیاں نامی کتاب کے حوالے پیش کئے جو ہمارے نزدیک مصنف کے غیر معتبر ہونے کے سبب حجت نہیں. موصوف کے نظریات سے ان کا روافض کی طرف میلان واضح دکھائی دیتا ہے. اس لئے انہیں ہمارے خلاف پیش کرنا درست نہیں"

آگے جناب نے ان کی چند عبارات پیش کر کے آخر میں لکھتے ہیں:

"ان نظریات کے حامل شخص کا اہل سنت کے اکابر یا معتمد علیہ حضرات میں شمار تو کجا خود اہل سنت میں ہی شمار ممکن نہیں، اس لئے موصوف کو ہمارے خلاف پیش کرنا ہرگز درست نہیں۔
(الحق المبین کی حقانیت)

## الجواب:

اولاً: ہم نے خوف طوالت فقط انور مدنی کی عبارات پر اکتفاء کیا اور آخر میں لکھ دیا کہ کاظمی صاحب کی مزید حیثیت جاننے کے لئے مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ مفید رہے گا جن میں انور مدنی کی تصنیف کے علاوہ "خلاف اولی کے رد میں" اور "**مواخذہ التبیان**" شامل تھا مؤلف نے ان کو نظر انداز کر دیا۔

ثانیاً: مولوی شمشاد حسین بریلوی لکھتے ہیں:

"ہو سکتا ہے جو آپ کی نگاہ میں غیر معتبر ہے کسی اور کی نگاہ میں معتبر ہو اور جسے آپ معتبر سمجھ رہے ہیں وہ کسی اور کی نگاہ میں غیر معتبر ہو"

(مسلک اعلی حضرت تعارف حقیقت اور چیلنج ص 421)

لہذا ہو سکتا ہے مؤلف کے نزدیک انور مدنی غیر معتبر ہو اور دوسرے بریلویوں کے نزدیک معتبر ہو۔

## توثیق انور مدنی از فیض احمد اویسی

اویسی صاحب نے مدنی صاحب کو جو خط لکھا ہے ملاحظہ فرمائیں:

”حضرت علامہ کرنل صاحب سلام مسنون. آپ کی محنت پھل لائی قبول ہوئی خدا کرے ہمارا بھی کوئی کام قبول ہو (امین) آپ نے زبیر کا بھٹہ بٹھا دیا، خدا کرے سعیدی کا بھٹہ بیٹھ جائے. اب تو اس نے تفسیر لکھ ماری ہے“ (پیر کرم شاہ کی کرم فرمائیاں ص 127 خط عکسی)

اور ارشد مسعود لکھتے ہیں:

”الغرض دیوبندی موصوف کا آل دیوبند میں عامر عثمانی صاحب کو غیر مستند قرار دینا دیوبندی مسلمات سے بغاوت ہے، اگر دیوبندی کتب کو بغور دیکھا جائے تو ان میں عامر عثمانی صاحب کے لئے ان کے نزدیک بے حد ادب و احترام پایا جاتا ہے، لہذا دیوبندی موصوف عامر عثمانی سے بری الذمہ نہیں ہو سکتے“ (کشف القناع جلد 3 ص 403،404)

اس اصول سے انور مدنی کا مستند ہونا ثابت ہوا اور ما قبل فیض احمد اویسی کا حوالہ نقل کیا جا چکا ہیں وہ انور مدنی کا بے حد ادب و احترام کر رہا ہے لہذا اس سے مؤلف بری الذمہ نہیں ہو سکتے۔ اور ہمارا پیش کردہ حوالہ جات کاظمی کے متعلق اپنی جگہ بر قرار ہیں۔

## مضبوط گرفت

ارشد مسعود لکھتے ہے:

”علماء اہل سنت کی اسی طرح گرفت بر قرار رہی تو دیوبندی موصوف تمام دیوبندی علماء کے دیوبندی ہونے کا انکار کر دیں گے، بلکہ ان کی کتب کو بھی رطب و یابس کا مجموعہ قرار دے دیں گے“ (کشف القناع جلد 3 ص 399)

اور مؤلف نے انور مدنی کو غیر معتبر قرار دیا جبکہ ہم نے ثابت کر دیا کہ وہ معتبر ہیں پس ہم بالفاظ ارشد مسعود کہہ سکتے ہیں کہ اگر علماء دیوبند کی گرفت اسی طرح بر قرار رہی تو بریلوی اپنے تمام اکابر کو غیر مستند کہیں گے اور ان کی کتب کو رطب ویابس کا مجموعہ قرار دے دیں گے۔

## کذب کاظمی اور ناکام صفائی

ہم نے اپنی کتاب میں کاظمی صاحب کا ایک جھوٹ واضح کیا تھا کہ وہ ہمارے متعلق کہتے ہیں کہ وہابی وہ گروہ ہے جو اپنے علاوہ سب کو کافر مشرک اور بدعتی قرار دیتا ہے جبکہ یہ جھوٹ ہے۔ اگر کاظمی صاحب سچے ہیں تو ہماری کسی معتبر کتاب سے اسکا ثبوت دیں۔ اس پر مؤلف ''اکثر امت پر فتوی شرک'' کہتے ہیں کہ کاظمی صاحب سے متعلق یہ کہنا امانت و دیانت کا خون کرنا ہے پھر تقویۃ الایمان اور ''توحید و شرک'' کے حوالے سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی کہ دیوبندی حضرات کے اکثر امت پہ فتوی شرک لگا دیا۔ یوں کاظمی صاحب کی سچائی ثابت کرنے کی کوشش کی۔ (دیکھیے الحق المبین کی حقانیت)

## الجواب:

قارئین! اسے کہتے ہیں مدعی سست گواہ چست! یہاں پر موصوف نے جو گل کھلایا ہے قطعا قابل التفات نہیں. کیونکہ کاظمی صاحب نے یہ بات کی ہے کہ وہابی اپنے علاوہ سب کو کافر, مشرک اور بدعتی کہتے ہیں۔ یعنی اپنے علاوہ ''سب'' کی بات کر کے کلیہ دعوی کر دیا۔ جبکہ مؤلف نے اس سے صرف نظر کرتے ہوئے اکثر امت پر فتوی شرک کی ہیڈنگ لگا دی۔ جناب کو معلوم ہونا چاہیے کہ اکثر، کل نہیں ہوا کرتا لہذا اس کے بعد جتنے بھی حوالے دیے وہ کاظمی صاحب کا جھوٹ صاف نہیں کر سکتے۔ کاظمی صاحب نے دعوی کل کا کیا ہے اکثر کا نہیں، لہذا زیادہ چالاک بننے کی ضرورت نہیں۔ آپ نے اکثر کی بات کر کے اور اس پہ عبارت پیش کر کے کل کی خود ہی نفی کر دی، پھر دعوی کلیہ میں سے ایک جزئی بھی خارج کر دی جائے تو کل کا دعوی ٹوٹ جاتا ہے۔ چنانچہ کاظمی صاحب نے کل سے ایک چیز خارج کر کے خود اپنے دعوی کو توڑ ڈالا ہے اور خود اپنے جھوٹ پہ مہر ثبت کر دی ہے۔

چنانچہ خود لکھتے ہیں کہ:

”دیوبندیوں کا کوئی بھی عالم آج تک اعلی حضرت یا ان کے ہم خیال کی تکفیر نہ کر سکا“

(الحق المبین ص25)

لیجئے اپنے جھوٹ کو خود آشکار کر دیا۔لہذا ہمارے فاضل مخاطب یہاں بھی کاظمی صاحب کا جھوٹ صاف نہ کر سکے اور بے وقوفی میں خود ان کی تردید کر بیٹھے اور ہمارا اعتراض جوں کا توں قائم ہے۔

## محمد بن عبد الوہاب اور تکفیر مسلم

ہم نے اپنی کتاب میں کاظمی صاحب کے جھوٹ کی نشاندہی کی تھی جو انہوں نے کہا تھا کہ ”محمد بن عبد الوہاب مسلمانوں کو کافر و مشرک کہہ کر سب کو مباح الدم قرار دیا“ اس پر ہم نے مطالبہ کیا تھا کہ فریق مخالف اس پر ثبوت پیش کرے مؤلف نے اس پر جو ثبوت پیش کیا ہے ملاحظہ فرمائیں:

”ہم اس پہ خود ان کے اکابر کا بیان پیش کئے دیتے ہیں، المہند میں علامہ شامی سے محمد بن عبد الوہاب کے متعلق لکھا ہے: ان کا عقیدہ یہ تھا کہ بس وہی مسلمان ہیں اور جو ان کے عقیدے کے خلاف ہو وہ مشرک ہے (المہند ص 75) اس کے علاوہ سوال یوں درج ہے: محمد بن عبد الوہاب نجدی حلال سمجھتا تھا مسلمانوں کا خون اور ان کے مال اور آبرو کو اور تمام لوگوں کو منسوب کرتا تھا شرک کی جانب (المہند ص 75) ان سوالات کے متعلق خالد محمود لکھتے ہیں: المہند علی المفند مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا احمد رضا خان کی تکفیری دستاویز حسام الحرمین کے جواب میں ۱۳۲۵ھ میں ہنگامی حالات میں لکھی اس میں علماء حرمین کے اٹھائے چھبیس سوالات کے بڑے واضح جوابات ہیں (المہند ص10 مطالعہ بریلویت جلد 2778) یعنی وہ سوالات علماء حرمین کی طرف سے تھے تو لا محالہ ثابت ہوا کہ علماء حرمین کا بھی وہی موقف تھا جو حضور غزالی زماں رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے، اس لئے ہمارے معاند کا اس سے انکار ہر گز درست نہیں"

(الحق المبین کی حقانیت ص20)

**الجواب:**

اولاً: حضرت سہارنپوریؒ نے اس سے رجوع کیا تھا اور مرجوع قول پیش کرنا جناب کے گھر کے اصول سے جہالت ہے۔ (ملاحظہ ہو انوار احناف ص 80)

ثانیاً: حضرت منظور احمد نعمانیؒ نے اس کے متعلق بہترین تحقیق پیش کی ہے جس کا مختصر خلاصہ عرض کر دیتا ہوں:

"کسی شخصیت کے بارے میں اچھی یا بری رائے اس سے متعلق معلومات اور اطلاعات کی بناء پر قائم کی جاتی ہے اور مختلف لوگوں کی معلومات اور اطلاعات کسی شخص کے بارے میں مختلف بھی ہو سکتی ہیں اور ایسا استاد اور شاگرد کے مابین ہو سکتا ہیں جیسا امام صاحب اور صاحبین اور اور راویان حدیث کے متعلق بھی اسی طرح ایک ثقہ کہتا ہے تو دوسرا کذاب دجال کہتا ہے.... الخ"
(شیخ محمد بن عبد الوہاب اور ہندوستان کے علماء حق ص 27، 28)

لہذا ایک شخص کے متعلق آراء مختلف ہو سکتے ہیں۔

ثالثاً: خود مؤلف اپنی ایک تصنیف میں لکھتے ہیں:

"اگر کسی نے ان کو غیر معتبر کہا تو ان کی اپنی معلومات ہیں اور اگر کسی نے معتبر کہا تو انہوں نے اپنی معلومات کے مطابق کہاں ہے اس لئے یہ اختلاف ہر گز مذموم نہیں"
(دست و گریباں کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ ص 506)

لہذا جناب کے اصول سے حضرت سہارنپوری رح نے اپنے معلومات کے مطابق کہا تھا جو بعد میں رجوع کیا۔ لہذا مؤلف کو اس حوالہ سے کچھ حاصل نہیں اور نہ ہمارے اعتراض کا جواب ہیں۔

مولوی عمر اچھروی شاہ ولی اللہؒ کو وہابی کہا اس پر اعتراض ہوا تو عبد المجید خان بریلوی جواب دیتے ہیں کہ:

"جیسی خبریں پہنچی انہوں نے اسی کے مطابق لکھ دیا بعد میں انہیں گہری تحقیق کا موقع مل سکا"

(مفتاح سنت ص 265)

وہابی بریلویوں کے نزدیک گستاخ اور کافر ہوتا ہے تو مولوی عمر اچھروی نے شاہ صاحب ؒ کو وہابی کہا اور عبد المجید نے صفائی پیش کی کہ جیسی خبریں پہنچی اسی کے مطابق لکھ دیا، ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ حضرت سہارنپوری ؒ کو جیسی خبریں پہنچی اسی کے مطابق لکھ دیا بعد میں جب تحقیق کا موقع ملا تو رجوع کر لیا۔

مولوی انس رضا قادری لکھتے ہیں:

''گھمن صاحب نے سب سے پہلے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات پر کلام کیا کہ علماء اہل سنت نے ان کے متعلق بہت غلط لکھا ہے''

(حسام الحرمین اور مخالفین ص 141)

آگے لکھتے ہیں:

''علماء اہل سنت میں سے کسی نے بھی شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ پر کوئی سخت حکم گستاخی و گمراہی کا نہیں لگایا''

(ایضاص 142)

نیز لکھتے ہیں:

''شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اہل سنت حنفی بریلویوں کے نزدیک بزرگ ہستی ہیں. کسی سنی عالم نے ان کو ہر گز وہابی کا گستاخی کا الزام نہیں دیا. البتہ سنی عالم دین مفتی اقتدار احمد نعیمی

صاحب نے ایک دو جگہ ان پر معمولی سا طعن کیا ہے جو کہ ان کا اپنا نظریہ تھا''(ایضاص 157)

جب اتنے بڑے الزامات لگانے کے بعد بھی یہ ایک معمولی سا طعن ہے تو حضرت سہارنپوری ؒ کے قول کو بھی معمولی طعن پر محمول کریں۔

حضرت سہارنپوری اور حضرت حسین احمد مدنی رحمہا اللہ کا رجوع اور شیخ محمد بن عبد الوہاب کے متعلق جاننے کے لئے حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رح کی کتاب ''شیخ محمد بن عبد الوہاب اور ہندوستان کے علماء حق'' کی طرف

رجوع کریں۔

رہی بات المہند کے سوالات کا جس سے مؤلف یہ ثابت کرنا چاہتے ہے کہ علماء حرمین کا بھی وہی موقف تھا جو کاظمی صاحب نے بیان کیا، تو ان کے متعلق بھی یہی عرض ہے کہ معلومات کا اختلاف ہو سکتا ہے۔

## تقویۃ الایمان اور کتاب التوحید

ہم نے کاظمی صاحب کے کذب بیانی کی نشاندہی کرتے ہوئے یہ عرض کیا تھا کہ کوئی بریلوی کاظمی کا اس جھوٹ کو صاف کرے جو انہوں نے کہاہے کہ تقویۃ الایمان کتاب التوحید کا خلاصہ ہے۔ اس پر مؤلف میدان میں آکر یوں لب کشائی کرتا ہے کہ:

"حضور غزالی زماں نے تقویۃ الایمان کو کتاب لاتوحید کا خلاصہ قرار دیا تو اس کو بھی ہمارے معاند کذب سے تعبیر کرتے ہیں جبکہ یہ وہ حقیقت ہے جس کا اقرار ہمارے معاندین کے اکابرین نے بھی کیاہے۔ عبید اللہ سندھی لکھتے ہیں:

ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں کہ ولی اللہ تحریک عرب کی نجدی تحریک سے بعض امور میں مشابہ تھی اس کی ایک مثال اسماعیل شہید کی کتاب تقویۃ الایمان ہے۔ یہ کتاب حجۃ اللہ بالغہ سے ماخوذ ہے لیکن بعض مقامات پر اس میں شیخ عبد الوہاب کی کتاب التوحید کی طرح ایک سی بات لکھی ہیں۔

سر دست ہم اسی ایک حوالہ پہ اکتفاء کرتے ہیں، تفصیلی گفتگو آئندہ نقل کی جائے گی"۔

(الحق المبین کی حقانیت)

## الجواب:

اولا: کاظمی نے تقویۃ الایمان کو کتاب التوحید کا خلاصہ قرار دیاہے جس پر ہم نے حوالہ مانگا تھا لیکن مؤلف نے سوال گندم جواب چنا کا عملی نمونہ پیش کیا کجا دعویٰ اور کجا حوالہ۔

عبارت میں صرف اتنا لکھاہے کہ بعض مقامات پر کتاب التوحید کی طرح ایک سی بات لکھی ہے، بعض مقامات پر

ایک سی بات لکھنا الگ ہے اور خلاصہ الگ ہے۔ کیا مؤلف کے نزدیک کسی کتاب کی بعض عبارات دوسری کتاب جیسے ہو تو اس کتاب کو اس کا خلاصہ قرار دیا جائے گا؟

ثانیا: مولوی احمد رضا خان نے تقویۃ الایمان کو کتاب التوحید کا ترجمہ قرار دیا ہے۔

ملاحظہ ہو (الحق المبین کی حقانیت ص:۴۱)

مولوی طیب دانا پوری لکھتے ہیں:

"محمد بن عبد الوہاب نجدی کے ماننے والوں کو وہابی کہتے ہیں اس کی کتاب "کتاب التوحید" کا ترجمہ ہندوستان میں اسماعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان کے نام سے شائع کیا"

(تجانب اہل السنہ ص:۳۰)

ایک صاحب کہہ رہا ہے کہ خلاصہ ہے اور دوسرے صاحبان کہہ رہے ہیں کہ ترجمہ ہیں یہ متضاد باتیں کس چیز پر دلالت کرتے ہیں آیئے ہم مؤلف کی کتاب سے دکھاتے ہیں۔ چنانچہ موصوف نے اپنی کتاب میں لکھا ہیں کہ:

"قارئین کرام ایک صاحب فرماتے ہیں کہ اعلی حضرت نے اپنے گناہ اور گستاخیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے دیوبندی حضرات کی تکفیر کی جبکہ دوسرے صاحب کہتے ہیں کہ انگریز کے ایما پر تکفیر کی۔ یہ متضاد باتیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ صرف الزسام تراشی ہے اور کچھ نہیں"

(کنز الایمان اور مخالفین ص:۲۰۱)

لہذا جناب کے قول سے ثابت ہوا کہ یہ محض الزام تراشی ہے اور کچھ نہیں۔ اور مؤلف کا جواب تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے، اور یوں لگا کہ موصوف بے خیالی میں جواب لکھا ہے جسے جواب بھی نہیں کہا جاسکتا۔

## حاضری مزارات کفر یا شرک

ہم نے اپنی کتاب میں کاظمی کے ایک جھوٹ کی نشاندہی کی تھی جو انہوں نے کہا تھا کہ "دیوبندیوں کے نزدیک مزارات پر حاضری کفر ہے" اس پر ہم نے دلیل مانگا تھا مؤلف نے اس کا جو دفاع اور دلیل پیش کیا ہے ملاحظہ فرمائیں:

’’حضور غزالی زماںؒ نے فرمایا تھا کہ وہابی حضرات کے نزدیک مزارات کی حاضری کفر ہے، اسے بھی ہمارے معاند اکاذیب میں شمار کرتے ہیں لیکن موصوف نے کچھ مطالعہ فرمایا ہوتا تو جناب کا قلم اس بات پہ ہر گز معترض نہ ہوتا۔ صاحب تقویۃ الایمان لکھتے ہیں:

پھر جو کوئی کسی پیر و پیغمبر کو یا بھوت و پری کو یا کسی کی سچی قبر کو یا جھوٹی قبر کو۔۔۔۔۔یا ایسے مکان میں دور دور سے قصد کرے جاوے۔۔۔۔۔اس کو اشراک فی العبادات کہتے ہیں (تقویۃ الایمان ص ۱۵)

(الحق المبین کی حقانیت)

## الجواب:

مؤلف نے صفائی میں جو حوالہ پیش کیا ہے وہ موصوف کی جہل پر دال ہے۔ ہم نے حوالہ مانگا تھا کفر پر اور جناب نے حوالہ پیش کیا ہے شرک پر دعوی میں مطابقت نہیں۔ لہذا ہمارا مطالبہ اپنی جگہ بر قرار ہیں۔

## کفر اور شرک میں فرق

مؤلف اگر کفر اور شرک کی تعریف سے واقف نہیں تو ہم انہیں واقف کرا دیتے ہیں۔
شرک کی تعریف مفتی صدیق ہزاروی یوں لکھتے ہیں:

’’کسی بھی شخص یا کسی بھی چیز کو اللہ تعالی کی ذات اور صفات میں برابر ماننا شرک ہے‘‘

(عقائد و عبادات ص / طبع لاہور)

اور کفر کی تعریف یوں لکھتے ہیں:

’’وہ لوگ جو کسی نہ کسی صورت میں اللہ تعالی کا انکار کرتے ہیں، یا اس کے بھیجے ہوئے انبیائے کرام، آسمانی کتابوں فرشتوں، جنت اور دوزخ، قیامت، تقدیر وغیرہ میں سے کسی ایک کے منکر ہوں، انہیں کافر کہتے ہیں۔‘‘ (ایضاص / ۵)

## علما دیوبند اور وہابیت

قارئین ہم نے اپنی کتاب میں یہ لکھا تھا کہ علما دیوبند کو وہابی کہنا غلط ہے اور سب سے پہلے ان کو وہابی مجدد بریلوی نے کہا ہے اور پھر اس پہ بطور دلیل مولانا معین الدین اجمیری صاحب کی کتاب "تجلیات انوار المعین" سے دی تھی۔اس پر مؤلف کا جواب کچھ یوں ہے کہ جناب نے علما دیوبند سے بہت سی عبارات نقل کر دیں کہ علما دیوبند نے محمد بن عبد الوہاب نجدی کی تعریفیں کی ہیں اور اس کے عقائد کو عمدہ کہا ہے اور نتیجہ یہ نکالا کہ کیا اب بھی علما دیوبند کو وہابی نہ کہا جائے؟ دوم مولانا اجمیری کے حوالے پر یہ کہہ دیا کہ یہ معاصرانہ چپقلش ہے۔

(الحق المبین کی حقانیت محصلہ)

## الجواب:

قارئین کرام! موصوف کی دلیل کی ساری عمارت اس بات پہ قائم ہے کہ چونکہ علما دیوبند نے محمد بن عبد الوہاب کی تعریف کی اور اس کے عقائد کو عمدہ کہا لہٰذا وہ وہابی ہیں، جبکہ اس طرح تو بریلوی اپنے اصولوں سے کافر، ناصبی و خارجی شمار ہوں گے۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیں۔

## علامہ ابن تیمیہؒ اور بریلوی

علما ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو آئے دن بریلوی کوستے رہتے ہیں بلکہ کئی بریلوی علما نے ان کی تکفیر تک کی ہے۔ اور فیض احمد اویسی ان کو نواصب و خوارج کا امام کہتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو پنجتن پاک کہنے کا ثبوت)
جبکہ انہیں ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تعریف بریلوی کرتے نظر آتے ہیں۔

چنانچہ غلام سرور قادری صاحب لکھتے ہیں:

"امام ابن تیمیہ علیہ رحمہ اللہ کو اس قدر جلالت و عظمت علمیہ کے باوجود اس مسئلہ میں.... الخ"

(مسئلہ علم غیب و توسل ص ۲۱۵)

نیز لکھتے ہیں:

"شیخ الاسلام ابن تیمیہ علیہ الرحمہ (مسئلہ علم غیب وتوسل ص/۲۱۶)

بے شمار اکابرین نے ان کو شیخ الاسلام بھی ٹھہرایا امام ذہبی و امام ابن کثیر رحمہا اللہ تعالی ان کی بے حد تعریف فرماتے ہیں اور حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے اپنی تصنیف (میں)۔۔ انہیں اور ان کے تلمیذ رشید امام حافظ ابن قیم جوزی علیہ الرحمہ کو اس امت کے اولیاء میں سے قرار دیا ہے۔(ص/۲۱۶)

امام تاج الدین سبکی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"اگر سے انہوں نے ان تھوڑے سے مسائل میں خطا کی تاہم بے شمار مسائل میں حق کو پالیا اور ان کے ذریعے دین مبین کی مدد اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت مطہرہ کی خدمت فرمائی۔(ص/۲۱۸)

ان تمام اقتباسات کو ہم قارئین کے سامنے رکھتے ہوئے یہ سوال مؤلف پر لوٹائے دیتے ہیں کہ کیا محض تعریف اور عقائد میں عمدہ ہونے کے سبب کہنے سے علماء دیوبند کو وہابیت میں شمار کرنا درست ہے اگر درست ہے تو پھر ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے متعلق تم کافر ناصبی اور خارجیت کے فتوے لگاتے ہو تو ان کی تعریفیں کر کے اور ان کے مسائل کو درست بتا کر اور امت کے ولی اللہ میں شمار کر کے کیا یہ مذکورہ اکابرین اسلاف اور بریلوی مفتی کافر ناصبی اور خارجی ٹھہرے؟ بریلوی اصول سے تو ان تمام حضرات کو کافر نواصب اور خارجیوں میں شمار کرنا چاہیے۔

## علما دیوبند وہابی نہیں

مقابیس المجالس میں لکھا ہے:

"حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ علیہ کے اس ملفوظ سے ثابت ہوا کہ مولانا رشید احمد گنگوہی مولانا محمد قاسم نانوتوی وغیرہم علمائے دیوبند صحیح معنوں میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے خلیفہ اور اہل طریقت تھے حالانکہ بعض صوفی حضرات ان کو غلط فہمی سے وہابی کہتے ہیں۔"

(مقابیس المجالس ص/۳۵۲)

تو لیجئے بریلویوں کے معتبر اور معتمد علیہ بزرگ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ان کی طرف بعض صوفی حضرات نے وہابیت کی غلط نسبت کی ہے۔لہذا جناب کے گھر سے ثابت ہوا کہ ان کو وہابی کہنا درست نہیں ، یہاں بھی جناب دفاع میں ناکام رہے بلکہ اسلاف امت کو اپنے اصول سے ناصبی و خارجی بلکہ کافر بناڈالا ، نیز کاظمی صاحب سے بوجھ بھی نہ اتار سکے۔

## مولانا اجمیری اور احمد رضا

مؤلف کا یہ کہنا کہ معین الدین اجمیری صاحب کی یہ معاصرانہ چپقلش ہے ہرگز ہرگز سودمند نہیں۔

میثم عباس قادری لکھتے ہیں:

> ”کیونکہ معاصرین کی جرح علی الاطلاق ناقابل قبول نہیں ، معاصرین کی جرح کو علی الاطلاق غیر مقبول کہنا معلومات کے ایک اہم ذریعہ کو ناقابل اعتبار ٹھہرانا ہے ، کیونکہ ہم عصر ایک دوسرے کے حالات سے جیسے واقف ہوتے ہیں بعد والے نہیں ہوسکتے۔“
>
> (مولوی الیاس گھمن دیوبندی اپنے کردار کے آئینہ میں ص / ۱۸۵)

لہذا مؤلف کا قول بالکل غلط ہے ، میثم کے بقول ایسا کہنا کہ معاصرانہ چپقلش حجت نہیں معلومات کے اہم ذریعہ کو ناقابل اعتبار ٹھہرانے کی مترادف ہیں۔اور مولوی معین الدین اجمیری خان صاحب کی حالات سے زیادہ واقف تھا بنسبت مؤلف کے ، لہذا جناب کا معاصرانہ چپقلش والی بات قابل قبول نہیں۔

ہم نے آخر میں لکھ دیا تھا کہ بریلویوں کی خانہ جنگی کا کھیل دیکھنے کے لئے علامہ ابوایوب صاحب دامت برکاتہم کی کتاب ”دست و گریباں“ کی طرف مراجعت کریں۔اس پر موصوف کہتا ہے کہ:

> ”اس کے بعد جو جناب نے دست و گریباں کا حوالہ دیا تو اس کا جواب بندہ ناچیز کے قلم سے بنام دست و گریباں کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ منظر عام پہ آچکا ہے ، قارئین اس کی طرف مراجعت کریں۔“
>
> (الحق المبین کی حقانیت ص )

**الجواب:**

عرض ہے کہ جناب کی کتاب کا وہ حشر احتشام انجم شامی صاحب نے کر دیا ہے کہ رہتی دنیا تک مؤلف کو ایسا جواب نظر نہیں آئے گا۔ شامی صاحب کی کتاب ماضی قریب میں چھپ کر منظر عام پر آ چکا ہے قارئین اس کی طرف رجوع کریں۔

از افادات مولانا الیاس علی شاہ صاحب حفظہ اللہ
ترتیب واضافہ طاہر گل دیوبندی

# مماتی کسے کہتے ہیں؟

ایک مماتی نے مجھ سے کہا کہ تم لوگ ہمیں حیات النبی کے منکر سمجھتے ہو مگر آپ لوگ بھی تو منکر ہیں کیونکہ تم لوگ بھی تو موت کا انکار نہیں کرتے جب آپ موت مانتے ہیں چاہے چند سیکنڈ کے لئے کیوں نہ ہو تو تم بھی مماتی بن گئے۔

**جواب:**

مسئلہ حیات پر علمائے دیوبند کے کتب ورسائل اور توضیحات کو ملحوظ رکھے جائے تو آسانی سے یہ بات معلوم کی جاسکتی ہے کہ نہ مماتیوں کے ایسے اعتراضات کی کوئی بنیاد ہے نہ ہی اس عقیدے کو اس پیمانے سے ناپنے کی کوئی حقیقت ہے۔ میں آپ کا توجہ چند باتوں کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں!

پہلی بات یہ ہے کہ مماتیوں کو مماتی اس لیے نہیں کہتے ہیں کہ یہ لوگ انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے موت مانتے ہیں اور علمائے دیوبند موت کے منکر ہیں کیونکہ وقوع موت کے تو تمام مسلمان قائل ہیں اور کیوں قائل نہیں ہوں گے جبکہ قرآن کا یہ فیصلہ ہے کہ کل نفس ذائقة الموت یعنی ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ امام اہل شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ نے اپنے مایہ ناز اور لاجواب کتاب تسکین الصدور میں پورا باب اس پر لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر موت آئی ہے چنانچہ اس کے ابتداء میں حضرت لکھتے ہیں

> "وفات حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام قطعی امر ہے اللہ تعالی نے اپنے جاندار مخلوق کیلئے جو محکم اور اٹل فیصلہ صادر فرمایا ہے وہ یہ کہ کل نفس ذائقة الموت (پارہ نمبر 4 سورۃ آل عمران) ہر نفس موت چکھنے والا ہے۔ اور اس ضابطہ سے کوئی مستثنیٰ نہیں نہ پیغمبر اور نہ شہید اور نہ کوئی اور جلد ہو یا بدیر ہر ایک پر موت وارد ہو کر رہے گی۔"

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مماتیوں کو مماتی کیوں کہتے ہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام

خصوصاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جسد عنصری یعنی دنیا والے جسم کے ساتھ حیات نہیں مانتے۔ بلکہ یہ حضرات صرف روح کے لئے حیات مانتے ہیں یا روح اور جسم مثالی کے لئے حیات مانتے ہیں۔ چنانچہ نیلوی صاحب نداء حق جلد 1 صفحہ 554 پر لکھتے ہیں

صحیح مسلک یہ ہے کہ عالم برزخ میں ان (یعنی انبیاء کرام علیہم السلام۔ناقل) کی ارواح کو ان کے عنصری بدنوں کے ہم شکل اور مماثل مشک و کافور کے مثالی اجسام عطا کیے جاتے ہیں"

حالانکہ انبیاء کرام علیہم السلام کو جو حیات برزخ میں حاصل ہے وہ روح اور بدن عنصری دونوں کے لئے ہے۔ جیسے کہ صحیح حدیث میں ہے کہ

**ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء فنبى الله حى يرزق** یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد کو کھائے۔ پس اللہ کے نبی زندہ ہوتے ہیں ان کو رزق دیا جاتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ سادات علمائے دیوبند کے اس خوشبو والے عقیدے کو سمجھا جائے۔ علمائے دیوبند فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا والے جسدِ اطہر کو حیات برزخی حاصل ہے۔ حیات برزخی کہہ کر وہ یہ بات بتانا چاہتے ہیں کہ جسد مبارک کو حاصل ہونے والی حیات، ظاہری اور محسوس ہونے والی حیات نہیں کہ دنیا والے اس حیات کے ظاہری آثار کو محسوس کر سکے بلکہ اس کو ولٰکن لا تشعرون کے درجے میں رکھتے ہیں۔

اگر آپ المہند علی المفند اٹھا کر دیکھ لیں تو جہاں جسد احیا کا جملہ لکھا گیا اس کے بعد لکھا گیا ہے **برزخية لكونها فى عالم البرزخ** یعنی یہ جسد والی حیات عالم برزخ میں ہونے کیوجہ سے برزخی ہے۔

اس لئے یہ خیال درست نہیں کہ علمائے دیوبند، دنیا والے جسد اطہر کی ظاہری حیات کے قائل ہیں۔ بلکہ موت سے لیکر دفن تک اور دفن کے بعد قبر میں یہ حضرات جسد اطہر کی غیر محسوس برزخی حیات کے قائل ہیں۔

مزید تفصیل کے لئے تسکین الصدر و مصنفہ مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ اور مولانا یوسف لدھیانوی کی کتاب آپ کے مسائل اور انکا حل جلد 10 (تخریج شدہ ایڈیشن کا جلد 1) ملاحظہ کر لیں۔

تیسری بات یہ کہ اس مذکورہ حیات (جو موت کے بعد مستمر رہتی ہے) کے نکتہ آغاز اور ورودِ موت کے درمیان کوئی زمانی فاصلہ بھی موجود ہے یا نہیں؟

قرآن کے قطعی نصوص اور احادیث صحیحہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ برزخ کے ابتدائی احوال تو سکرات موت کے ساتھ ہی شروع ہو جاتے ہیں۔ یعنی موت سے ابھی تک دنیا کی ظاہری حیات مکمل ختم نہیں ہو پاتی کہ برزخی زندگی کے احوال شروع ہو جاتے ہیں۔ اور برزخی احوال کا باقاعدہ سلسلہ وقوع موت کے بعد جاری رہتا ہے۔ بلکہ یہ سلسلہ حسب مراتب تمام اموات کے لئے قائم رہتا ہے۔

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا ۙ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ

(سورہ الانفال)

ترجمہ: اور اگر دیکھے تو جس وقت جان قبض کرتے ہیں فرشتے کافروں کی مارتے ہیں انکی منہ اور ان کی کمریں اور کہتے ہیں چکھو عذاب جلنے کا۔

دوسری آیت میں ہے!

وَلَوْ تَرَى إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنفُسَكُمُ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ

(سورة الانعام)

ترجمہ:۔ اور اگر تو دیکھے جس وقت کہ ظالم موت کے سختیوں میں ہونگے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے (اور کہیں گے) کہ نکالو اپنی جانیں آج کی دن تمھیں بدلہ ملے گا ذلت کے عذاب کا اس سبب سے کہ تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹی باتیں کہتے تھے اور اس کی آیتوں سے تکبر کیا کرتے تھے۔

ہماری تائید اس حدیث مبارکہ سے بھی ہوتا ہے

حدثنا عبد الله بن يوسف، حدثنا الليث، حدثنا سعيد، عن ابيه، انه سمع ابا سعيد الخدرى ۔ رضى الله عنه ۔ قال كان النبى صلى الله عليه وسلم يقول " اذا وضعت الجنازة فاحتملها الرجال على اعناقهم، فان كانت صالحة قالت قدمونى. وان كانت

غیر صالحۃ قالت لاھلھا یا ویلھا این تذھبون بھا یسمع صوتھا کل شیء الا الانسان، ولو سمع الانسان لصعق "( رواہ البخاری فی کتاب الجنائز)

ترجمہ:۔"حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: نبی ﷺ فرماتے تھے: جب جنازہ رکھ دیا جاتا ہے پھر مرد اس کو اپنی گردنوں پر اٹھا لیتے ہیں، اگر وہ نیک ہوتا ہے تو کہتا ہے مجھے آگے لے چلو اور اگر نیک نہیں ہوتا تو اپنے لوگوں سے کہتا ہے: ہائے خرابی، مجھے کہاں لے کر جاتے ہو۔اس کی آواز ہر ایک مخلوق سنتی ہے سوائے انسان کے، اگر وہ سنے تو بے ہوش ہو جائے گا۔"

اس لئے عرض ہے کہ ہم کو ان دلائل کی وجہ سے ایک سیکنڈ کے لئے بھی مماتی بننا گوارہ نہیں۔

متعلّم اسامہ الحنفی الدیوبندی حفظہ اللہ

# غیر مقلد ظہور احمد ملک صاحب کا علمی تعاقب

ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں یا ایک کلمہ سے دی گئی تین طلاقیں تین شمار ہوتی ہیں، بیوی خاوند پر حرام ہو جاتی ہے اور بغیر حلالہ شرعی کے شوہر اول کے لئے حلال نہیں ہوتی، یہی نظریہ اہل سنت والجماعت کا ہے لیکن غیر مقلدین دین کی اصل روح مٹانے کے لئے اور لوگوں کو بے دین بنانے کے لیے زنا کا جواز دیتے ہیں اور حال ہی میں ظہور احمد ملک صاحب نے اسی طرح کا ایک جواز پیش کیا ہے جس میں ظہور احمد ملک صاحب نے مسلم شریف کی حدیث کو دلیل بنا کر پیش کیا ہے۔

**دلیل:** عن ابن عباس قال كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وسنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة فقال عمر بن الخطاب إن الناس قد استعجلوا في أمر قد كانت لهم فيه أناة فلو أمضيناه عليهم فأمضاه عليهم.(صحيح مسلم ج1 ص477،ص478، مصنف عبد الرزاق ج6ص305) و من طريق آخر ففيہ ابن جريج

## جواب نمبر 1:

امام نووی نے فرمایا ہے:

فالأصح أن معناه أنه كان في أول الأمر اذا قال لها أنت طالق أنت طالق أنت طالق ولم ينو تأكيدا ولا استئنافا يحكم بوقوع طلقة لقلة ارادتهم الاستئناف بذلك فحمل على الغالب الذي هو ارادة التأكيد فلما كان في زمن عمر رضي الله عنه وكثر استعمال الناس بهذه الصيغة وغلب منهم ارادة الاستئناف بها حملت عند الاطلاق على الثلاث عملا بالغالب السابق إلى الفهم منها في ذلك العصر.( شرح مسلم للنووی: ج1ص478)

کہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی صحیح مراد یہ ہے کہ شروع زمانہ میں جب کوئی شخص اپنی بیوی کو "انت طالق، انت طالق، انت طالق" کہہ کر طلاق دیتا اور دوسری اور تیسری طلاق سے اس کی نیت تاکید کی ہوتی نہ استیناف کی، تو چونکہ لوگ استیناف کا ارادہ کم کرتے تھے اس لیے غالب عادت کا اعتبار کرتے ہوئے محض تاکید مراد لی جاتی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا اور لوگوں نے اس جملہ کا استعمال بکثرت شروع کیا اور عموماً ان کی نیت طلاق کے دوسرے اور تیسرے لفظ سے استیناف ہی کی ہوتی تھی، اس لئے اس جملہ کا جب کوئی استعمال کرتا تو اس دور کے عرف کی بناء پر تین طلاقوں کا حکم لگایا جاتا تھا۔

**تنبیہ:** یہ اس صورت میں ہے کہ جب "**انت طالق**" کو تین بار کہے۔ اگر "**انت طالق ثلاثا**" کہے تو پھر تین ہی واقع ہو جائیں گی۔

## جواب نمبر2:

اس حدیث میں طلاق کی تاریخ بیان کی جارہی ہے کہ عہد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ و السلام سے لے کر ابتدائے عہد فاروقی تک لوگ یکجا تین طلاقیں دینے کے بجائے ایک طلاق دیا کرتے تھے، خلافت فاروقی کے تیسرے سال سے لوگوں نے جلد بازی شروع کر دی کہ ایک طلاق دینے کے بجائے تین طلاقیں اکٹھی دینے لگے تو وہ تینوں طلاقیں نافذ کر دی گئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ اس پر واضح قرینہ ہیں، آپ فرماتے ہیں:

إن الناس قد استعجلوا في أمر قد كانت لهم فيه أناة

کہ لوگوں کو جس کام میں سہولت تھی انہوں نے اس میں جلد بازی شروع کر دی ہے۔

اگر ابتداء سے تین طلاق کا رواج ہوتا تو پھر استعجال اور اناۃ کا کوئی معنی نہیں بنتا۔ لہذا اس حدیث میں "...طلاق الثلاث واحدۃ" کا مطلب "تین طلاقوں کے بجائے ایک طلاق دینا" ہے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں آکر مسئلہ بدل گیا تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ طلاق دینے کے معاملے میں لوگوں کی عادت بدل گئی تھی۔ اگر یہ مراد لیا جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے فیصلے کو منسوخ فرما کر تین طلاقوں

کو تین شمار کیا ہے تو یہ مطلب انتہائی غلط ہے، کیونکہ اگر یہی معاملہ ہوتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم اس پر اجماع نہ فرماتے بلکہ اس فیصلہ کا انکار کرتے حالانکہ کسی سے بھی انکار منقول نہیں۔ یہی مطلب محدثین نے بیان کیا ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

المراد أن المعتاد في الزمن الأوَل كان طلقة واحدة وصار الناس في زمن عمر يوقعون الثلاث دفعة فنفذه عمر فعلى هذا يكون اخبارا عن اختلاف عادة الناس لا عن تغير حكم في مسألة واحدة قال المازري وقد زعم من لا خبرة له بالحقائق أن ذلك كان ثم نسخ قال وهذا غلط فاحش لأن عمر رضي الله عنه لا ينسخ ولو نسخ وحاشاه لبادرت الصحابة إلى انكاره۔

( شرح مسلم للنووى: ج2ص478)

ترجمہ: مراد یہ ہے کہ پہلے ایک طلاق کا دستور تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگ تینوں طلاقیں بیک وقت دینے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں نافذ فرمادیا۔ اس طرح یہ حدیث لوگوں کی عادت کے بدل جانے کی خبر ہے نہ کہ مسئلہ کے حکم کے بدلنے کی اطلاع ہے۔ امام مازری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حقائق سے بے خبر لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ "تین طلاقیں پہلے ایک تھیں، پھر منسوخ ہوگئیں" یہ کہنا بڑی فحش غلطی ہے، اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے فیصلہ کو منسوخ نہیں کیا، -حاشا- اگر آپ منسوخ کرتے تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اس کے انکار کے درپے ضرور ہوجاتے۔

علامہ محمد انور شاہ کشمیری اس حدیث کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں:

ای کان الناس يطلقون واحدة بدل الثلاث و يكتفون بواحدة للتطليق، وكانوا لا يطلقون ثلاثاً خلاف السنة، وہم كانوا على ذلک الیٰ خلافۃ عمر حتیٰ صاروا فی عہدہ یطلقون ثلاثاً دفعۃ خلاف السنۃ، فامضاہ عمر علیہم و ہذا احد معنی الحدیث ذکرہ النووی فی شرح مسلم۔

(معارف السنن: ج5 ص471)

کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ لوگ تین طلاقیں دینے کے بجائے ایک طلاق دینے پر اکتفاء کرتے تھے، تین طلاقیں جو کہ خلاف سنت ہیں نہیں دیتے تھے۔ یہ معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت تک چلتا رہا یہاں تک کہ لوگ خلافِ سنت تین طلاقیں اکٹھی دینے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان تین طلاقوں کو نافذ فرما دیا۔ حدیث کا ایک یہی مطلب امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

**فائدہ:**

حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کا یہ مطلب لینے پر (کہ لوگ تین طلاقوں کی بجائے ایک طلاق دیتے تھے) قرآن وحدیث سے دو نظیریں بھی پیش کی ہیں:

**نظیر نمبر 1:**

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿أَجَعَلَ الآلِهَةَ إِلٰهًا وَاحِدًا﴾ (سورۃ ص:5)

ترجمہ: (کافر یہ کہتے ہیں:) کیا اس (پیغمبر) نے سارے معبودوں کو ایک معبود میں تبدیل کر دیا ہے؟

علامہ کشمیری فرماتے ہیں:

فهم لم يريدوا بقولهم هٰذا انه صلى الله عليه و سلم آمن بآلهة ثم جعلهم واحدا، و انما يريدون انه جعل الهاً واحدا بدل آلهة.

(معارف السنن: ج5 ص472)

ترجمہ: کفار کے اس قول کا مطلب یہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے تمام آلہہ پر ایمان لائے پھر ان کو ایک کر دیا، بلکہ ان کا مطلب یہ تھا کہ آپ نے تمام آلہہ کو چھوڑ کر ایک کو اپنا لیا ہے۔

## نظیر نمبر 2:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

من جعل الهموم هما واحدا هم آخرته كفاه الله هم دنياه الخ

(سنن ابن ماجۃ: باب الانتفاع بالعلم والعمل بہ- عن عبد الله بن مسعود)

ترجمہ: جو شخص اپنی تمام فکروں کو ایک فکر یعنی آخرت کی فکر بنالے اللہ تعالیٰ دنیوی پریشانیوں اور فکروں سے اس کی کفایت فرماتے ہیں الخ

علامہ کشمیری فرماتے ہیں:

فليس المراد اختيار الهموم ثم جعلها واحدة، وانماالمراد انہ اختار هماً واحداً بدل هموم كثيرة.

(معارف السنن: ج5 ص472)

کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان پہلے تمام غموں کا روگ لگالے پھر ان سب کو ایک غم میں تبدیل کر دے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ انسان غموں کے انبار کو چھوڑ کر ایک آخرت کی فکر کو اپنالے۔

## جواب نمبر 3:

امام احمد بن حنبل نے فرمایا:

الحديث اذا لم تجمع طرقہ لم تفهمہ والحديث يفسر بعضها بعضا.

(الجامع لاخلاق الراوی للخطیب: ص370 رقم1651)

چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث سنن ابی داود میں ہے، جس میں راوی سے سوال کرنے والا شخص ایک ہی ہے یعنی ابو الصَّہباء، اور دونوں روایتوں کے الفاظ بھی تقریباً ملتے جلتے ہیں۔ روایت یہ ہے:

**قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ بَلَى كَانَ الرَّجُلُ إِذَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلاثًا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا جَعَلُوهَا**

وَاحِدَةً عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- وَأَبِى بَكْرٍ وَصَدْرًا مِنْ إِمَارَةِ عُمَرَ.

(سنن ابی داؤد: ج1 ص317 باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث)

اس روایت کی اسناد صحیح ہے۔

(زاد المعاد لابن القيم: ج4 ص1019-فصل: فی حکمه صلى الله عليه وسلم فيمن طلق ثلاثا بكلمة واحدة، عمدة الاثاث: ص94)

اسی طرح صحیح مسلم کے راوی طاؤس یمانی کی خود اپنی روایت میں بھی غیر مدخول بہا کی قید موجود ہے۔

علامہ علاء الدین المار دینی (م745ھ) لکھتے ہیں:

ذكر ابن أبى شيبة بسند رجاله ثقات عن طاوس وعطاء وجابر بن زيد انهم قالوا إذا طلقها ثلاثا قبل ان يدخل بها فهى واحدة.

(الجوہر النقی: ج 7ص331)

ان دونوں روایات میں "قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا" (غیر مدخول بہا) کی تصریح ہے۔ معلوم ہوا کہ حدیث صحیح مسلم مطلق نہیں بلکہ "غیر مدخول بہا" کی قید کے ساتھ مقید ہے۔ ایسی عورت کو خاوند الگ الگ الفاظ (أنت طالق أنت طالق أنت طالق) سے طلاق دے تو پہلی طلاق سے ہی وہ بائنہ ہو جائے گی اور دوسری تیسری طلاق لغو ہو جائے گی، اس لیے کہ وہ طلاق کا محل ہی نہیں رہی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور میں غیر مدخول بہا کو طلاق دینے کا یہی طریقہ رائج تھا اس لیے ان حضرات کے دور میں غیر مدخول بہا کو دی گئی ان تین طلاقوں کو ایک سمجھا جاتا تھا۔ لیکن بعد میں لوگ ایک ہی جملہ میں اکٹھی تین طلاقیں دینے لگے (یعنی انت طالق ثلاثا) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب تین ہی شمار ہوں گی، کیونکہ غیر مدخول بہا کو ایک ہی لفظ سے اکٹھی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں۔

## جواب نمبر4:

اگر وہی مطلب لیا جائے جو غیر مقلدین لیتے ہیں کہ تین طلاق ایک ہوتی ہے تو یہ مطلب لینا اس روایت

ہی کو شاذ بنا دیتا ہے، اس لیے کہ یہ روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے جملہ شاگرد آپ سے تین طلاق کا تین ہونا ہی روایت کرتے ہیں، صرف طاؤس ایسے ہیں جو مذکورہ روایت نقل کرتے ہیں۔ تصریحات محققین ملاحظہ ہوں:

**(1): قال الامام احمد بن حنبل: كل أصحاب ابن عباس رووا عنه خلاف ما قال طاوس.**

**(نيل الاوطار للشوكانى ج6ص245 باب ما جاء فى طلاق البتة)**

**(2): قال الامام محمد ابن رشد المالكى: بأن حديث ابن عباس الواقع فى الصحيحين إنما رواه عنه من أصحابه طاوس ، وأن جلة أصحابه رووا عنه لزوم الثلاث منهم سعيد بن جبير ومجاهد وعطاء وعمرو بن دينار وجماعة غيرهم.**

**(بداية المجتهد ج2ص61 كتاب الطلاق، الباب الاول)**

**تنبیہ:** حدیث ابن عباس صحیحین میں نہیں، صرف صحیح مسلم میں ہے۔

**(3): قال البيهقى: فَهٰذِهِ رِوَايَةُ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ وَعَطَاءِ بْنِ أَبِى رَبَاحٍ وَمُجَاهِدٍ وَعِكْرِمَةَ وَعَمْرِو بْنِ دِينَارٍ وَمَالِكِ بْنِ الحَارِثِ وَمُحَمَّدِ بْنِ إِيَاسِ بْنِ البُكَيْرِ وَرُوِّينَاهُ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِى عَيَّاشٍ الأَنْصَارِىِّ كُلُّهُمْ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ أَجَازَ الطَّلاَقَ الثَّلاَثَ وَأَمْضَاهُنَّ**

**(السنن الكبرىٰ للبيهقى: ج7 ص338 باب مَنْ جَعَلَ الثَّلاَثَ وَاحِدَةً)**

چونکہ طاوس کی یہ روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تمام شاگردوں کی روایت کے خلاف ہے اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ اس روایت کو اپنی صحیح میں نہیں لائے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

**وَتَرَكَهُ البُخَارِىُّ وَأَظُنُّهُ إِنَّمَا تَرَكَهُ لِمُخَالَفَتِهِ سَائِرَ الرِّوَايَاتِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ.( السنن الكبرىٰ للبيهقى ج7 ص338 باب مَنْ جَعَلَ الثَّلاَثَ وَاحِدَةً)**

الحاصل یہ روایت طاوس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تمام شاگردوں کے خلاف روایت کی

ہے اور تمام شاگرد تین کا تین ہونا ہی نقل کرتے ہیں، اس لیے طاوس کی یہ روایت ان سب کے مقابلے میں شاذ، وہم، غلط اور ناقابلِ حجت ہے۔

## جواب نمبر 5:

خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اپنا فتوی اس روایت کے خلاف ہے۔ کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ تین طلاق کو تین ہی فرماتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ أَنَّہُ أَتَاہُ رَجُلٌ فَقَالَ طَلَّقْتُ اِمرَأتِیْ ثَلاَ ثًا فَقَالَ عَصَیْتَ رَبَّکَ وَحَرُمَتْ عَلَیْکَ حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجاًغَیْرَکَ.

(جامع المسانید ج2ص148، السنن الکبری للبیہقی: ج7ص337واسنادہ صحیح)

اور اصول حدیث کا قاعدہ ہے:

عمل الراوی بخلاف روایتہ بعد الروایۃ مما ہو خلاف بیقین یسقط العمل بہ عندنا۔

(المنار مع شرحہ ص194، قواعد فی علوم الحدیث للعثمانی ص 202)

کہ راوی کا روایت کرنے کے بعد اس کے خلاف عمل کرنا اس روایت پر عمل کو ساقط کر دیتا ہے۔ لہذا اس اصول کی رو سے بھی مذکورہ روایت قابلِ عمل نہیں ہے۔

## جواب نمبر 6:

اس روایت کی ایک سند میں ایک راوی "طاؤس یمانی" ہے۔ امام سفیان ثوری، امام ابن قتیبہ، اور امام ذہبی نے اسے شیعہ قرار دیا ہے۔

(سیر اعلام النبلاء ج5ص27،26، المعارف لابن قتیبہ ص268،267)

دوسرا راوی "ابن جریج" ہے۔ یہ شیعہ ہے اور اس پر متعہ باز ہونے کی جرح بھی ہے۔

(تذکرۃ الحفاظ ج1 ص128، سیر اعلام النبلاء ج5 ص497، میزان الاعتدال للذہبی ج2 ص509)

مذکورہ دونوں راویوں کو کتب شیعہ میں بھی شیعہ کہا گیا ہے۔ چنانچہ "طاؤس" کو رجال کشی لابی جعفر طوسی ص55، ص101، رجال طوسی لابی جعفر طوسی ص94 میں اور "ابن جریج" کو رجال کشی ص280، رجال طوسی ص233 اور اصحاب صادق رقم 162 میں شیعہ کہا گیا ہے۔ اصول حدیث کا قاعدہ ہے جسے حافظ ابن حجر عسقلانی یوں بیان کرتے ہیں:

الا ان روى ما يقوى بدعته فيرد على المختار.

(شرح نخبۃ الفکر مع شرح ملا علی القاری ص159، مقدمہ فی اصول الحدیث لعبد الحق الدہلوی ص67)

کہ بدعتی راوی کی روایت اگر اس کی بدعت کی تائید کرتی ہو تو نا قابل قبول ہوتی ہے۔

## جواب نمبر7:

خود غیر مقلدین کے فتاوی میں ہے:

"یہ کہ مسلم کی یہ حدیث امام حازمی و تفسیر ابن جریر و ابن کثیر وغیرہ کی تحقیق سے ثابت ہے کہ یہ حدیث بظاہرہ کتاب و سنت صحیحہ و اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم وغیرہ ائمہ محدثین کے خلاف ہے لہذا حجت نہیں" (فتاوی ثنائیہ ج2 ص219)

## جواب نمبر8:

صحیح مسلم میں روایت موجود ہے:

قال عطاء قدم جابر بن عبد الله معتمرا فجئناه في منزله فسأله القوم عن أشياء ثم ذكروا المتعة فقال نعم استمتعنا على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وعمر. و فى رواية اخرى: حتى نهى عنه عمر.(صحيح مسلم ج 1ص451 باب نكاح المتعة وبيان أنه أبيح ثم نسخ ثم أبيح ثم نسخ واستقر تحريمه إلى يوم القيامة )

پس جو جواب اس جابر رضی اللہ عنہ کی متعۃ النساء کے جواز وعدم کا جواب ہے وہی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اگر اس کو بھی جائز مانتے ہو تو کیا متعۃ النساء کو بھی جائز مانو گے ؟

**جواب نمبر 9:**

غیر مقلدین کا موقف ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک کہنے کا ہے لیکن صحیح مسلم کی اس روایت میں کہیں بھی "ایک مجلس" کا ذکر نہیں ہے۔

(بحوالہ مسئلہ تین طلاق از مولانا الیاس گھمن مد ظلہ العالی)

لہذا یہ غیر مقلد ظہور احمد ملک صاحب کی دلیل بن ہی نہیں سکتی۔

مولانا عبد الرحمٰن عابد صاحب حفظہ اللہ قسط:۴

# فقہ غیر مقلدین قرآن و حدیث کے خلاف ہے

## 14. شریعت:

جب صحابی رسول (ﷺ) حضرت عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) وفات کے وقت آیا تو اپنے بیٹوں کو کچھ وصیتیں کیں، ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ:

"فَإِذَا دَفَنْتُمُونِى فَشُنُّوا عَلَىَّ التُّرَابَ شَنًّا، ثُمَّ أَقِيمُوا حَوْلَ قَبْرِى قَدْرَ مَا تُنْحَرُ جَزُورٌ وَيُقْسَمُ لَحْمُهَا ؛ حَتَّى أَسْتَأْنِسَ بِكُمْ، وَأَنْظُرَ مَاذَا أُرَاجِعُ بِهِ رُسُلَ رَبِّي"

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 192)

جب مجھے دفن کروگے تو مجھ پر اچھی طرح مٹی ڈال دینا اور میری قبر کے ارد گرد اتنی دیر تک کھڑے رہنا جتنی دیر میں اونٹ ذبح کیا جاتا ہے اور اس کا گوشت بانٹا جاتا ہے تاکہ تم سے میرا دل مانوس ہو جائے (اور میں تنہائی میں گھبرا نہ جاؤں) اور میں دیکھ لوں کہ میں اپنے رب کے وکیلوں (فرشتوں) کو کیا جواب دیتا ہوں۔

اسی طرح خود رسول اللہ ﷺ کا بھی ارشادِ گرامی موجود ہے کہ

كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم إِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ: «اسْتَغْفِرُوا لأَخِيكُمْ وَسَلُوا لَهُ التَّثْبِيتَ؛ فَإِنَّهُ الآنَ يُسْأَلُ»

(سنن ابی داود، رقم الحدیث 3221، کتاب الجنائز، ج2 صفحہ 357)

ترجمہ: جب نبی کریم ﷺ میت کی دفن سے فارغ ہوتے تو اس پر کھڑے ہو جاتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لیے بخشش کی دعا کرو اور اس کے لیے ثابت قدمی کا دعا کرو کیونکہ اب اس سے سوال کیا جارہا ہے۔

## غیر مقلدیت:

غیر مقلدین کے فضیلۃ الشیخ ابوصہیب محمد بن عبد الرحمن صاحب عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) کی حدیث ذکر کر کے متصل اس حدیث کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لیکن شیخ ابن عثیمین اور شیخ ابن باز رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں اس قسم کی عمل کو ترغیب نہیں دی ہے اور نہ امت کو دکھایا ہے بلکہ ان (رسول اللہ ﷺ) کا عمل تو دفن کے بعد یہ تھا کہ لوگوں کو کہتے کہ آپ لوگ اپنے اس بھائی کے لئے مغفرت طلب فرمایئے اور اس کے لیے ثابت قدمی کی دعا فرمائے اس کے علاوہ اور کام انہوں نے نہیں سیکھائی تو اس کا کرنا بھی جائز نہیں"

(دجنازی احکام او مسائل ص339)

معلوم ہوا کہ یہ لوگ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور جناب نبی کریم ﷺ کی حدیث کے مقابلے میں ابن باز اور ابن عثیمین مرحوم کو لیتے ہیں اور انہی کے اقوال کے مقابلے میں حدیث چھوڑتے ہیں العیاذ باللہ۔

## 15. شریعت:

ہم جب نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اَجمعین کی دور کی طرف نظر دوڑائے تو یہ مسئلہ بالکل واضح اور شفاف نظر آرہا ہے کہ قبر کی سر اور پاؤں کی طرف سورۃ البقرۃ کی تلاوت کی جائے، مختصراً چند حوالہ جات بطورِ مشت نمونہ از خروارے ملاحظہ کیجیے:

"...... حدثنا ابو اسامۃ عبد اللہ بن محمد بن ابی اسامۃ الحلبی، حدثنا ابی
ح وحدثنا ابراھیم بن دحیم الدمشقی، حدثنا ابی
ح وحدثنا الحسین بن اسحاق التستری، حدثنا علی ابن حجر۔
قالوا: حدثنا مبشر بن اسماعیل، حدثنی عبد الرحمٰن بن العلاء بن اللجلاج عن ابیہ قال : قال لی ابی: یا بنی! اذا مت فالحدنی فاذا وضعتنی فی لحدی فقل : بسم اللہ

وعلی ملۃ رسول اللہ، ثم سن علی التراب سنا، ثم اقرا عند راسی بفاتحۃ البقرۃ وخاتمتھا، فانی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ذلک۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، الجز التاسع عشر،ص220۔۔221)

ترجمہ: عبد الرحمٰن بن العلاء اپنے والد سے نقل کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد حضرت لجلاج رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے میرے بیٹے! جب میں مر جاؤں تو مجھے لحد میں رکھ دینا، اور جب مجھے لحد میں رکھو تو یہ دعا پڑھنا" بسم اللہ و علی ملۃ رسول اللہ " اور میرے سرہانے سورۃ بقرہ کا اول اور آخر پڑھنا کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہی فرماتے سنا ہے۔

* ......اخبرنا ابو عبد اللہ الحافظ، ثنا ابو العباس احمد بن یعقوب، ثنا العباس بن محمد، سالت یحیی بن معین عن القراءۃ عند القبر، فقال: حدثنا مبشر بن اسماعیل الحلبی، عن عبد الرحمٰن بن العلاء بن اللجلاج عن ابیہ انہ قال لبنیہ: اذا ادخلتمونی قبری فضعونی فی اللحد وقولوا: بسم اللہ وعلی سنۃ رسول اللہ"، وسنوا علی التراب سنا، واقرأو ا عند راسی اول البقرۃ وخاتمتھا ، فانی رأیت ابن عمر یستحب ذالک۔

(السنن الکبری الجز الرابع، ص93، کتاب الجنائز، باب ما ورد فی قراۃ القرآن عند القبر/الدعوات الکبیر الجز الثانی، ص297)

ترجمہ:۔ عبد الرحمٰن بن العلاء اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ علاء بن لجلاج نے اپنے بیٹوں سے فرمایا کہ جب تم مجھے قبر میں داخل کرو تو مجھے لحد میں رکھ دینا اور یہ دعا پڑھنا" بسم اللہ و علی سنۃ رسول اللہ "، اور مجھ پر مٹی ڈالو اور میرے سرہانے سورۃ بقرہ کا اول اور آخر پڑھنا کیونکہ میں نے ابن عمر کو دیکھا کہ اسے مستحب سمجھتے تھے۔

**نوٹ:** پہلی روایت میں صحابی رسول حضرت لجلاج رضی اللہ عنہ سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ذلک فرما رہے ہیں اور دوسری روایت میں صحابی کا بیٹا حضرت علا بن لجلاج تابعی اپنے بیٹوں کو وصیت کرتے ہوئے رأیت ابن عمر یستحب ذلک فرما رہے ہیں۔ لہذا دونوں رویتوں میں کوئی تضاد و تعارض نہیں۔

گویا دونوں روایتوں میں نبی کریم ﷺ، دو صحابی حضرت لجلاج اور عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ایک تابعی

علاء بن لجلاج سے اس مسئلہ کا ثبوت مل رہا ہے اور امام خلاّلؒ بھی بایں الفاظ نقل کرتے ہے:

وسالت يحيى بن معين فحدثنى بهذا الحديث... (الامر بالمعرف والنهى عن المنكر/ كتاب القراءة عند القبور ص87)

۔۔۔ امام احمد بن حنبلؒ نے بھی اس راوی کی ضمنی توثیق کر رکھی ہے کیونکہ ان کے سامنے جب عبد الرحمن بن العلاء کی روایت امام محمد ابن قدامہ جوہری نے سنائی تو آپ نے رجوع کر کے اس کے موافق عمل کرنے کا حکم دیا۔ امام ابو بکر الخلال نے اس واقعہ کو دو سندوں سے روایت کیا ہے

**پہلی سند:**۔۔۔ اخبرنى الحسن بن احمد الوراق، ثنى على بن موسى الحداد۔ وكان صدوقا، وكان ابن حماد المقرى يرشد اليہ۔ فاخبرنى قال: كنت مع احمد حنبل فى جنازة، فلما دفن الميت جلس رجل ضرير يقرا عند القبر..... الخ.....

**دوسری سند:**۔۔۔ واخبرنا ابو بكر بن صدقة قال: سمعت عثمان بن احمد بن ابراهيم الموصلى قال: كان ابو عبد الله احمد بن حنبل فى الجنازة...... الخ.....

دوسری سند میں ابو بکر احمد بن عبد اللہ بن صدقۃ بغدادی ہیں، علامہ ذہبی نے ان کو الحافظ کے لقب سے یاد کیا ہے اور لکھا ہے کہ موصوف نے امام احمدؒ سے مسائل حاصل کئے ہیں اور ان سے امام خلالؒ نے استفادہ کیا ہے (تاریخ الاسلام)۔ ان کا انتقال 293ھ کو ہوا ہے۔ (طبقات الحنابلۃ)

اور عثمان بن احمد موصلیؒ کے متعلق قاضی ابو یعلی فرماتے ہیں صحب امامنا وروى عنہ اشياء۔ کہ وہ ہمارے امام احمد بن حنبلؒ کے ساتھ رہے ہیں اور ان سے بہت سے مسائل نقل کئے ہیں۔ اس کے بعد قاضی ابو یعلی نے مذکورہ قصہ بھی ان کے حوالے سے نقل کیا ہے

امام بیہقیؒ نے دعوات الکبیر میں عبد الرحمن بن العلاء کی روایت کو حسن کہا ہے۔

هذا موقوف حسن... (الدعوات الكبير الجز الثانى، ص297)

۔۔۔۔۔ امام نوویؒ نے عبد الرحمن بن العلاء کی روایت کو حسن کہا ہے۔

وروينا فى سنن البهيقى باسناد حسن... (الاذكارا لنووية ص 137)

------علامہ ہیثمیؒ نے عبد الرحمن بن العلاء کو ثقہ قرار دیا ہے۔

اسی قراءۃ والی روایت کے متعلق فرماتے ہیں:

رواه الطبرانى فى الكبير ورجاله موثقون...

( مجمع الزوائد الجز الثالث ص124 رقم:4243)

اور دوسرے مقام پر عبد الرحمن بن العلاء کی طبرانی والی روایت کے متعلق فرماتے ہیں:

رواه الطبرانى وفيه المعلى بن الوليد ولم اعرفه ،و بقية رجاله ثقات..

( مجمع الزوائد الجز الخامس ص23 رقم7961)

-----------علامہ منذریؒ بھی عبد الرحمن بن العلاء کی طبرانی والی ایک روایت کے متعلق فرماتے ہیں:

رواه الطبرانى باسناد لا باس به...

( الترهيب والترغيب الجز الثالث ص101 رقم13)

------علامہ شمس الدین محمد بن مفلح المقدسیؒ نے بھی عبد الرحمن بن لعلاء والی روایت کی تصحیح کر رکھی ہے۔

و صح عن ابن عمر... ( كتاب الفروع الجز الثالث ص420 كتاب الجنائز)

------علامہ ابن حجر نے امام بیہقی کی سند کی تخریج کرتے ہوئے عبد الرحمن بن العلاء کی روایت کو حسن کہا ہے۔

هذا موقوف حسن... ( نتائج الافكار ،الجزء الرابع، ص426/ الفتوحات الربانية لمحمد على بن محمد علان الجز الرابع ص136)

عبد اللہ بن عمر کی مرفوع حدیث کو امام خلالؒ، امام طبرانیؒ اور امام بیہقیؒ نے روایت کی ہے۔

امام خلالؒ فرماتے ہیں:

واخبرنى العباس بن محمد بن احمد بن عبد الكريم قال: حدثنى ابو شعيب عبدالله

بن الحسین بن احمد بن شعیب الحرانی من کتابہ، قال: حدثنی یحیی بن عبد اللہ الضحاک البابلتی، حدثنا ایوب بن نھیک الحلبی الزھری مولی آل سعد بن ابی وقاص قال: سمعت عطاء بن ابی رباح المکی، قال سمعت ابن عمر، قال: سمعت النبی ﷺ یقول: اذا مات احدکم فلاتحبسوہ، واسرعوا بہ الی قبرہ ، ولیقراعند راسہ بفاتحۃ البقرۃ، وعند رجلیہ بخاتمتھا فی قبرہ۔

(الامر بالمعرواف والنھی عن المنکر ص88 وکتاب القراء ۃ عند القبورص2)

الغرض! یہ مسئلہ بھی شریعت بمع سلف صالحین رحمہم اللہ سے ثابت اور مصرّح ہیں، اس موضوع پر ہم نے مستقل 100 (سو) حوالہ جات اپنی تصنیف "حکم القرأۃ عند القبور" میں جمع کئے ہیں تفصیل وہاں ملاحظہ کیجئے۔

## غیر مقلدیت:

اب غیر مقلدین کا نظریہ اور فقہ شریعت کے خلاف ملاحظہ کیجئے۔ غیر مقلدین کے مناظر اور شیخ الحدیث مولانا افضل السواتی السلفی صاحب لکھتے ہیں:

"عام اہل بدع جو کرتے ہیں اس کے مختلف طریقے لوگوں میں رائج ہیں، ایک طریقہ یہ ہے کہ سورۃ البقرۃ کے اول اور آخر پڑھ لیجئے۔۔۔ الخ"

(حکم القرأۃ عند القبور ص28)

آگے اس کو شرک کے زمرے میں شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"اور دوسرا زیارتِ بدعیہ ہے کہ انسان وہاں جائے تو وہاں نماز پڑھتے ہیں اموات سے حاجات مانگتے ہیں اور طواف کرتے ہیں اور قبر کے جنگلے کو چھومتے ہیں اور اس کی استیلام کرتے ہیں رکن یمانی کی طرح اور وہاں قرآن پڑھتے ہیں سورت الفاتحہ اور اخلاص وغیرہ پڑھ کر اموات کو بخشتے ہیں تو یہ زیارت زیارۃِ بدعیہ شرکیہ ہیں" (ایضًا ص31و32)

اور دوسری جگہ اس کے قاری (پڑھنے والے) کو لعنت کا مستحق قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تو یہ مصلی عند القبر اور ذاکر عند القبر اور قاری عند القبر رسول اللہ ﷺ کی لعنت میں داخل ہوا

(ایضاً صفحہ 46)

اسی طرح کئی غیر مقلدین کی کتابوں میں اس کو صریح بدعت کہا ہے چند کتب اختصاراً ملاحظہ کیجیے:
فتاوی الدین الخالص ج7ص236، الحق الصریح ج6ص617 614 کلاهما لامین الله البشاوری، د جنازی أحکام او مسائل لابی صہیب ص312 وغیرہ

## 16. شریعت:

شریعتِ مطہرہ میں یہ بات بھی صاف اور واضح معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کا قبرستان جانا جائز ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورألا فَزُورُوهَا فانها تذكركم الآخرة»

(صحيح مسلم، الجنائز، باب استئذان النبى ربه عزوجل فى زيارة قبر امه)

ترجمہ: "میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا، تو سنو! اب تم ان کی زیارت کیا کرو کیونکہ قبروں کی زیارت تم کو آخرت کی یاد دہانی کرانے کا ذریعہ ہے۔"

عورتوں کا زیارت قبور کی نیت سے قبرستان جانا جائز اور مستحسن امر ہے، بشرطیکہ شرعی آداب و حدود کو ملحوظ رکھا جائے، یعنی ستر و حجاب سے متعلق احکام کی پابندی کی جائے اور نالہ و شیون سے گریز کیا جائے۔ نبی کریم ﷺ نے اول اول مرد و زن ہر دو کو قبروں کی زیارت سے منع فرمایا تھا، لیکن بعد ازاں یہ ممانعت ختم فرمادی۔
ظاہر ہے کہ جس طرح ممانعت مردوں اور عورتوں کے لیے یکساں تھی، اسی طرح اب زیارت قبور کا حکم بھی دونوں ہی کے لئے ہے۔ علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ نے زیارت قبور کے جو مقاصد اور حکمتیں بیان فرمائی ہیں، خواتین کو بھی ان کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کہ مردوں کو، لہٰذا اگر وہ ان کے پیش نظر قبرستان جانا چاہیں، تو ان کیوں کر روکا جاسکتا ہے؟

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہی موقف ہے چنانچہ مروی ہے کہ

ایک مرتبہ سیدہ اپنے بھائی عبد الرحمن بن ابو بکر رضی اللہ عنہ کی قبر سے واپس آرہی تھیں کہ

عبد اللہ بن ابی ملیکہ نے استفسار کیا کہ کیا رسول خدا ﷺ نے زیارت قبور سے منع نہیں فرمایا؟ ام المومنین نے جواب دیا: ہاں یہ درست ہے، لیکن بعد ازاں آپ ﷺ نے اس کی رخصت مرحمت فرمادی تھی۔

(مستدرک الحاکم ج1 ص376، رقم الحدیث 1392، صحیح)

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ قبروں کے پاس کیا کہنا چاہیے، تو آں حضرت ﷺ نے یہ کلمات سکھلائے:

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ، وَيَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَأْخِرِيْنَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ. (مسلم)

"اے ان گھروں والے مومنو اور مسلمانو! تم پر سلامتی ہو۔ ہم میں سے آگے جانے والوں اور پیچھے رہنے والوں پر خدا سلامتی فرمائے اور خدا نے چاہا تو ہم بھی جلد ہی تمہیں ملنے والے ہیں۔"

اس سے استدلال یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ نہیں فرمایا کہ عورتوں کے لیے تو زیارت قبور ہی ممنوع ہے پھر دعا کا سوال کیسا؟ بل کہ آپ ﷺ نے انہیں باقاعدہ دعا بتلائی جس سے عورتوں کے لیے زیارتِ قبور مشروع معلوم ہوتی ہے۔ دیگر کئی حوالے اور بھی ہے لیکن اسی پر اکتفاء کرتے ہیں۔

## غیر مقلدیت:

اب غیر مقلدین کا شریعت کے خلاف مسئلہ ملاحظہ فرمائیں

چنانچہ امین اللہ پشاوری کے مدرسہ کا مہتمم اور مشہور مصنف عبد اللہ فانی صاحب لکھتے ہیں:

"علماء محققین کی تحقیق کے مطابق قبرستان کو عورتوں کا جانا حرام اور فتنے اور بے حیائی کی سبب ہے" (انتخابِ مشکوۃ ج1 ص320)

اور اسی طرح مشہور غیر مقلد صادق سیالکوٹی صاحب مردوں کا تخصیص کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مردوں کو قبروں کی زیارت کرنا سنت ہے"

(صلوۃ الرسول ص443)

اور پشاور میں غیر مقلدین کے مدرسے کا نصاب میں پڑھی جانی والی کتاب میں صادق اللہ صافی صاحب یوں عنوان (قبروں کی زیارت کرنا) قائم کرکے لکھتے ہیں:

"نزدیک قبرستان کو جانا سنت ہے صرف مردوں کے لئے"

(محفوظات ج2ص118، حصہ الفقہ)

## 17. شریعت:

یہ شرعی مسئلہ کس سے مخفی ہوگا کہ متعہ حرام ہے جیساکہ خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس کو اللہ نے منع کیا ہے

"ان اللہ قد حرم المتعۃ الی یوم القیامۃ "

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے متعہ کو قیامت تک کے لئے حرام کر دیا ہے۔

دیگر کئی دلائل اس موضوع پر موجود ہیں۔

## غیر مقلدیت:

امام اہل حدیث نواب وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں:

"وکذالک لابأس یتبع الرخص واختیار قول اھل المدینۃ فی الغناء واختیار قول أھل الکوفۃ فی النبیذ و اختیار قول أھل المکۃ فی المتعۃ اذا اجتھدوا عرف أن الحق معھم ..."

(ھدیۃ المھدی ص112)

یعنی اسی طرح اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ آدمی رخصتوں کے پیچھے لگا رہے، اور گانے کے سلسلے میں اہلِ مدینہ کا قول اختیار کرے، نبیذ کے سلسلہ میں کوفہ والوں کا قول لے، اور متعہ کے

سلسلہ میں اہل مکہ کے قول پر عمل کرے البتہ پہلے وہ اجتہاد کرے اور یہ جان لے کہ حق انہی کے ساتھ ہے۔

مطلب۔۔بس اپنی نفسانی خواہش کو پورا کرنے کے لئے یہ حربہ استعمال کرتے رہے کہ یہ میرا اجتہاد ہے اور اسی کو حق پر سمجھتا ہوں اور یوں اس کے آڑ میں مزے اڑاتے جائے۔

رخصتوں کے آڑ میں متعہ تک کو جائز قرار دیتے ہیں یہ لوگ، استغفر اللہ العظیم

اور دوسری جگہ تو صاف لکھتے ہیں:

"وقد ثبت ذلك بآيات القرآن اباحة المتعة"

(نزل الابرار. ج ۲ ص 33)

کہ قرآن کی آیاتوں سے متعہ کی اباحت (جائز ھونا) ثابت ہے

انا للہ وانا الیہ راجعون!

## 18. شریعت:

شریعتِ مطہرہ میں نماز تراویح کی بہت فضیلت وارد ہوئی ہے اور اس کی تعداد پر بھی بالآخر اجماع ہوا ہے۔

### دلیل نمبر ا:

"قال الامام الحافظ المحدث أبو بكر عبد الله بن محمد بن أبى شيبة العبسى الكوفى (مـ 235 هـ) : حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ ، قَالَ : أَخْبَرَنَا إبْرَاهِيمُ بْنُ عُثْمَانَ ، عَنِ الْحَكَمِ ، عَنْ مِقْسَمٍ ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ : أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ.

(مصنف ابن ابى شيبة ج2 ص284 باب كم يصلى فِى رَمَضَانَ مِنْ رَكْعَةٍ. المعجم الكبير للطبرانى ج5ص433 رقم 11934، المنتخب من مسند عبد بن حميد ص218 رقم 653، السنن الكبرى للبيهقى ج2ص496 باب مَا رُوِىَ فِى عَدَدِ رَكَعَاتِ الْقِيَامِ فِى شَهْرِ رَمَضَانَ.)

### دلیل نمبر ۲:

روى الامام المورخ أبو القاسم حمزة بن يوسف السهمي الجرجاني (م427ھ): حدثنا أبو الحسن

على بن محمد بن أحمد القصرى الشيخ الصالح رحمه الله حدثنا عبد الرحمن بن عبد المؤمن العبد الصالح قال أخبرني محمد بن حميد الرازي حدثنا عمر بن هارون حدثنا إبراهيم بن الحناز عن عبد الرحمن عن عبد الملك بن عتيك عن جابر بن عبد الله قال خرج النبي صلى الله عليه و سلم ذات ليلة في رمضان فصلى الناس أربعة وعشرين ركعة وأوتر بثلاثة.

(تاريخ جرجان للسهمى ص317، فى نسخة 142)

اسناده حسن و رواته ثقات.

**فائدہ:** اس روایت میں چار رکعت فرض، بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر کا ذکر ہے۔

اسی طرح اس تعداد پر اجماع بھی ہے اور چار مذاہب اسی پر قائم و دائم بھی ہے الحمدللہ

تفصیل کے لئے ہماری کتاب "تراویح شل رکعاتہ مسنون دی" ملاحظہ کیجئے جو کہ امین اللہ پشاوری صاحب کے تلمیذ کی کتاب کے جواب میں لکھا گیا ہے جو کہ تاہنوز ان سے جواب نہیں بن سکا الحمدللہ۔

## غیر مقلدیت:

اب غیر مقلدین کی شریعت کے خلاف موقف بھی ملاحظہ کیجئے چنانچہ غیر مقلدین کے امام اہل حدیث نواب وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں:

"ولايتعين لہ عدد معين"(كنزالحقائق ص30)

کہ تراویح میں کوئی عدد معین نہیں ہے۔

اور نواب نور الحسن خان صاحب لکھتے ہیں:

"وبالجملہ عددے معین در مرفوع نیامدہ"

(عرف الجادی ص84)

اور مولوی عثمان صاحب لکھتے ہیں:

"مقلدین کی ایک بڑی جماعت نے بیس رکعت مقرر کر کے بدعت شنیعہ کا ارتکاب کیا ہے"

(رفع الاختلاف ص56)

اور مولوی یونس قریشی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں

"البتہ بیس یا تیس کی عداد معین اور خاص کرنا درست نہیں کیونکہ اس عمل کے بدعت ہو جانے کا خوف ہے"

(دستور المتقی 162)

ایسے حوالے کافی موجود ہیں لیکن بات لمبی ہو جائے گی۔ اللہ ہمیں غیر مقلدیت کی وباء سے محفوظ فرمائیں، آمین

طاہر گل دیوبندی

# مسئلہ عذابِ قبر پر فیصلہ کن مناظرہ

20 ستمبر 2022ء کو مسئلہ عذاب قبر پر مناظر اسلام حضرت مولانا مفتی محمد ندیم محمودی الحنفی صاحب مدظلہ العالی اور مفتی فدا محمد ربانی صاحب کے درمیان مناظرہ ہوا۔ حضرت مفتی محمد ندیم محمودی صاحب نے مناظرہ میں یہ دعویٰ لکھا تھا کہ مماتی قبر میں عذاب وثواب کے منکر ہیں۔ فریق مخالف نے کہا کہ ہم منکر نہیں ہے۔ حضرت مفتی ندیم صاحب حفظہ اللہ نے مماتیوں کے اکابر علماء کی کتابوں سے ثابت کیا کہ مماتی جسم عنصری کیساتھ عذاب وثواب کے منکر ہیں اور جسم عنصری کے حیات کے منکر ہیں اور مفتی ندیم صاحب نے کافی حوالے اجماع کے پیش کیے کہ عذاب قبر روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔ لہذا جسم کے لئے عذاب وثواب کا انکار کرنا عذاب قبر کا انکار ہے۔ لیکن مماتی مولوی بضد تھا کہ نہیں ہم تو جسم کے ساتھ روح کا تعلق مانتے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب نے مماتیوں کی کتابوں سے دکھایا کہ جہاں مماتی تعلق کا اثبات کرتے ہیں وہاں مماتیوں نے تصریح کی ہے کہ یہ تعلق جسم عنصری میں صفت حیات پیدا نہیں کرتا۔ بعض جگہ اس تعلق کو عاشق و معشوق والا تعلق مانا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ مماتیوں کے اکابر نے اپنے کتابوں میں جسم کے ساتھ روح کے ایسے تعلق کی نفی کی ہے جس تعلق سے جسم میں صفت حیات پیدا ہو چنانچہ مولوی سجاد بخاری صاحب نے اقامۃ البرہان میں صفحہ 159 پر لکھا ہے کہ

> "یہ تعلق بدن عنصری میں صفت حیات پیدا کرنے سے قاصر ہے۔ اس تعلق کی بنیادوں پر حیات جسمانی اور پھر حیات دنیوی کی دیواریں کھڑی کرنا غلط ہے"

اسی طرح مولوی خان بادشاہ صاحب نے اپنی کتاب الصواعق المرسلۃ کے صفحہ 275 پر لکھا ہے

لان الحیاۃ و تعلق الروح بالبدن فی ھذہ الحفرۃ لیس بثابت من القرآن ولا من الاحادیث الصحیحۃ۔

ترجمہ:۔ اس لئے کہ حیات اور تعلق روح جسم کے ساتھ اس گڑھے میں نہ قرآن سے ثابت ہے اور نہ احادیث صحیحہ سے۔"

تحقیق الحق صفحہ 6 پر لکھا ہے کہ

"اجساد کیساتھ عنصری کا قید لگانا مبتدعین کا خود ساختہ اور خانہ ساز قید ہے کسی آیت کریمہ اور حدیث نبوی میں عنصری کا کوئی ذکر تک نہیں"

نیلوی صاحب نداء حق جلد 1 صفحہ 241 پر بھی لکھتے ہیں کہ

"ہمارا مدعا یہ ہے کہ اصل جزا سزا مرنے کے بعد جسد عنصری کو نہیں ہو تا جو اربعہ عناصر سے مرکب ہے"

نیلوی صاحب نداء حق جلد 1 صفحہ 246 پر لکھتے ہیں

"تحقیق یہ ہے کہ حیات کے معنی ہیں روح کا بدن کے ساتھ تعلق۔ اور قبر میں روح کا بدن کے ساتھ سرے سے تعلق ہی نہیں ہے۔۔۔۔۔ اس حیات کا تعلق بدن عنصری سے نہیں ہے بلکہ روح میں ادراک وشعور قائم رہنے کو مجازی طور پر حیات کہتے ہیں۔ بہر حال اس بدن عنصری میں حیات نہیں ہوتی"

نیلوی صاحب نداء حق صفحہ 310 پر لکھتے ہیں

"اس ڈھانچے یا اس کے کسی جزء کو ثواب عذاب پہنچنے کا قول محض مکابرہ ہے انسان تو اسی روح کا نام ہے اس کو ہی دکھ سکھ ضرور پہنچتا ہے"۔

یہ عبارتیں جسم عنصری کے لئے حیات اور عذاب و ثواب کے انکار میں بالکل واضح اور صریح ہیں۔ اس کے باوجود مفتی فدا ربانی صاحب کا یہ کہنا کہ ہمارے اکابر زمینی قبر میں جسد عنصری کے حیات، عذاب اور ثواب کے قائل ہیں جھوٹ نہیں تو اور کیا ہے؟ مفتی فدا محمد صاحب بار بار اس بات کو دہرا رہے تھے کہ ہم جسم عنصری کے ساتھ تعلق مانتے ہیں لیکن تعلق تصرف کے منکر ہیں۔ تو مفتی ندیم صاحب نے فرمایا کہ ایسے تصرف کے ہم بھی قائل نہیں جس سے بدن خوراک کا محتاج ہو، جسم میں نشو نما ہو، دوسرے لوگ اس کا ادراک کریں۔ بلکہ ہم ایسے تعلق کے

قائل ہیں جس تعلق سے بدن میں صفت حیات پیدا ہو اور اس حیات کی وجہ سے مردہ فرشتوں کے سوالوں کا جواب دے سکے اور عذاب وثواب محسوس کرے۔

یہی بات امام اہل سنت شیخ سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ نے تسکین الصدور میں بھی لکھی۔ چنانچہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ تسکین الصدور صفحہ 152 پر لکھتے ہیں

> "روح کا بدن کے ساتھ تعلق تین قسم کا ہے نباتی، نفسانی اور حیوانی۔ نباتی کا مطلب یہ کہ بدن اس تعلق سے بڑھتا رہے (انبتہ نباتاً قرآن کریم کے الفاظ ہیں) اور اس تعلق کی وجہ سے بدن محتاج خوراک ہو اور حس وحرکت اس میں محسوس ہو اور یہ تعلق دنیا کی حقیقی حیات میں ہوتا ہے (یا قیامت کو ہوگا) بایں طور کہ روح بدن میں علی وجہ الکمال والتمام داخل ہو کر بدن میں تصرف کرے کہ اس کی حرکات حس ومشاہدہ میں آسکیں اور بدن کی تدبیر کرے جس سے بدن جسمانی خوراک کا محتاج ہو اور اس خوراک کے بعد بدن میں نشوونما ہو جیسے کہ دنیا میں ہوتا تھا قبر میں اس قسم کا تعلق روح کا جسم سے نہیں ہوتا بلکہ وہاں تو فی الجملہ تعلق ہوتا ہے جس سے ادراک وشعور پیدا ہو اور جس سے راحت والم محسوس ہو سکے۔"

قارئینِ کرام ہم نے شیخ صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ طویل عبارت اسی لئے پیش کی کہ آپ کو معلوم ہو کہ ہم کس قسم کے تعلقِ تصرف کا انکار کرتے ہیں۔ اگر تعلق تصرف کی نفی سے مراد یہ ہو کہ مردہ قبر میں فرشتوں کو جواب نہیں دے سکتا کیونکہ جواب دینا ہی تصرف ہے یا انبیاء علیہم السلام کا قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ہی تصرف ہے تو ایسے تصرف کی نفی حضرت مفتی ندیم صاحب حفظہ اللہ نے نہیں فرمائی ہے بلکہ مناظرہ کے آخر میں اسی پر تو فیصلہ ہوا تھا کہ جسم کے ساتھ روح کا ایسا تعلق ہوتا ہے جس سے جسم میں صفت حیات پیدا ہوتا اور روح اور جسم عنصری دونوں عذاب وَثواب اور سوال وجواب میں شریک ہیں۔ اور یہ حدیث بھی حضرت مفتی ندیم صاحب حفظہ اللہ نے مناظرہ میں پیش کی تھی کہ فرشتے مردہ کو قبر میں بٹھاتے ہیں۔

بہر حال حضرت مفتی محمد ندیم محمودی صاحب نے تین گھنٹے سے زیادہ مناظرہ کے ختم ہونے کے بعد مماتی مناظر کو کہا کہ اگر آپ جسد عنصری میں روح کے تعلق سے حیات مانتے ہو اور جسد عنصری کے لیے عذاب وثواب بھی مانتے

ہو تو چلو ایک تحریر لکھتے ہیں اور اس پر دونوں دستخط کرتے ہیں۔ اس کے بعد مفتی ندیم صاحب نے مندرجہ ذیل تحریر لکھی اور مفتی فدا ربانی صاحب سے دستخط کا مطالبہ کیا مماتی مناظر نے کہا کہ میں اس موقف کو مانتا ہوں لیکن اس عقیدے کے منکر پر حکم شرعی لگانے کو تیار نہیں ہوا۔

**تحریر یہ ہے!**

"موت کے بعد میت یعنی روح اور بدن عنصری دونوں کے لئے روح کے تعلق کیساتھ،( ایسا تعلق جو تعلق تصرف نہ ہو بلکہ ایسے تعلق سے جس سے نوع من الحیات پیدا ہو) عذاب وثواب اور سوال وجواب کے لئے حیات ثابت ہے اور اس کا منکر گمراہ اور اعتقادی بدعتی ہے۔"

مفتی فدا ربانی صاحب کو چونکہ اپنے اکابر کا عقیدہ معلوم تھا(اور مفتی محمد ندیم صاحب حفظہ اللہ نے انتہائی تفصیل کیساتھ مناظرہ میں پیش بھی کیا) کہ وہ جسد عنصری کے لئے حیات اور عذاب وثواب کے منکر ہیں اسی لئے اس تحریر پر دستخط کیلئے تیار نہیں ہوئے۔

**نوٹ:**

اقامۃ البرہان، الصواعق المرسلۃ اور تحقیق الحق کا حوالہ مولانا مفتی تاج بہادر صاحب نے بھیجا ہے۔

محترم محمد عمر صاحب حفظہ اللہ قسط:۳

# کشف القناع کا تحقیقی جائزہ

## نقل و عقل کی غلطی

ہمارے مد مقابل جناب ارشد چشتی صاحب اپنے منہ میاں مٹھو بنتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آنجناب جیسے سارق سے ہم اپنے مطلب کی عبارات دیکھ کر بھی یقین کرنے کو تیار نہ ہونگے جب تک خود ان کو نہ دیکھ لیں، جس کی زحمت جناب برداشت کرنا گوارہ نہیں کرتے جس کی مثالیں ذکر ہو چکیں۔"

(دافع ازالۃ الوسواس صفحہ 264)

ارشد چشتی کے اس دعوے سے معلوم ہوا کہ وہ مولانا ساجد خان نقشبندی صاحب کی نقل کردہ عبارات پر بھروسہ نہیں کرتے بلکہ جب تک خود ان عبارات کو دیکھ نہیں لیتے تب تک ان پر یقین نہیں کرتے۔

یہ تو تھا موصوف کا ہوائی دعویٰ، حقیقت اس کے بالکل خلاف ہے۔ مولانا ساجد خان نقشبندی صاحب نے قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کی کتاب ارشاد الطالبین سے ایک حوالہ نقل کیا تھا جس میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ اولیاء اللہ معدوم کو موجود اور موجود کو معدوم کرنے کی قدرت نہیں رکھتے، اسی لئے ان سے رزق یا مرض کی شفا جیسے معاملات میں مدد نہیں مانگنی چاہیے کیونکہ یہ کفر ہے۔(مفہوم دفاع اہلسنت ج1 صفحہ 135،136)

چونکہ یہ حوالہ مولانا ساجد خان نقشبندی صاحب نے **سیفیوں** کی تحریف شدہ ارشاد الطالبین سے نقل کیا تھا اسی لئے اس عبارت کے آگے جو **سیفیوں** نے اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے اس کو بھی نقل کر دیا تاکہ کوئی آدھی عبارت نقل کرنے کا الزام نہ لگائے۔ اصل ارشاد الطالبین میں "اگر نسبت بطریق سببیت بود مضائقہ ندارد" موجود نہیں بلکہ **سیفیوں** کا اضافہ ہے۔ چونکہ مولانا ساجد خان نقشبندی صاحب نے **سیفیوں** کی کتاب سے عبارت نقل کی تھی اسی لئے اس اضافے کو بھی نقل کر دیا لیکن ارشد چشتی کی جہالت دیکھئے کہ اس نے بھی اس

اضافے کو قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کی عبارت بنا کر پیش کر دیا اور حوالہ **سیفیوں** کی کتاب کا نہیں بلکہ مکتبہ اسحاقیہ کراچی والے نسخے کا دیا۔(دیکھئے کشف القناع ج2 ص111)

جبکہ نہ تو یہ عبارت اس نسخے میں موجود ہے نہ اصل فارسی ارشاد الطالبین میں۔ چشتی صاحب کا اصل عبارات دیکھ کر یقین کرنے کا دعویٰ کہاں گیا؟ ایسے دعوؤں سے بریلویوں کو خوش تو کر سکتے ہو لیکن سنیوں کو بے وقوف نہیں بنا سکتے۔

اب جو سب کی تعریف میں ارشد چشتی نے دو تین صفحات سیاہ کر کے بریلویت کا ناکام دفاع کیا ہے وہ سب کسی کام کا نہیں۔ بقول غلام مرتضیٰ ساقی بریلوی کے:

"جب بنیاد ہی غلط ہے تو اس پر کھڑی کی گئی عمارت بھی منہدم ہو گئی"

(اہلسنت کی پہچان صفحہ 132)

رہی بات اولیاء اللہ سے مدد مانگنے کی تو اس معاملے میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کا دوٹوک موقف یہ ہے کہ

"مردہ یا زندہ اولیاء اور انبیاء سے دعا مانگنا جائز نہیں"

(ارشاد الطالبین اردو صفحہ 54 مکتبہ اسحاقیہ کراچی)

اسی صفحے پر قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے وظیفہ **یاشیخ عبد القادر جیلانی شیئاللہ** کو کفر و شرک قرار دیا ہے۔ لہٰذا قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کی کتب میں جو اَرواح کے مدد کرنے کا ذکر ہے اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ان سے مدد مانگی جائے۔

## بہتان یا حقیقت

مولانا ساجد خان نقشبندی صاحب نے قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کے متعلق لکھا کہ

"قاضی صاحب ولایت کے متعلق غلط مشرکانہ بریلویانہ عقیدہ کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں"

(دفاع ج1 ص136)

پھر قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کے حوالے سے بعض لوگوں کے غلط نظریات لکھے جو اولیاء اللہ کو معصوم سمجھتے ہیں، ان کے متعلق یہ گمان کرتے ہیں کہ جو وہ چاہتے ہیں وہی ہوتا ہے اور اسی لیے ان کی قبور پر ان سے مدد مانگنے جاتے ہیں، جن میں یہ صفات نہیں پاتے ان کو ولی نہیں سمجھتے وغیرہ۔

ارشد چشتی صاحب نے اس کے جواب میں لکھا کہ

"دیوبندی موصوف نے یہ اہل سنت وجماعت پر بہتان لگایا ہے"

(دیکھئے کشف القناع ج2 ص116)

جبکہ اولیاء اللہ کے لئے اختیارات ثابت کرنے اور ان سے مدد مانگنے پر بریلویوں کی مستقل کتابیں موجود ہیں، خود ارشد چشتی نے بھی اسی کتاب میں یہ مذموم کوشش کی ہے۔ لہٰذا اس کو بہتان کہنا نری جہالت وحماقت ہے۔ باقی اولیاء اللہ کے معصوم ہونے کی بات تو بہت دور کی ہے بریلوی حضرات تو مولانا احمد رضا خان بریلوی کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"اعلی حضرت کی زبان وقلم کا یہ حال دیکھا کہ مولی تعالیٰ نے اپنی حفاظت میں لے لیا ہے اور زبان وقلم نقطہ برابر خطا کرے اس کو ناممکن کر فرمادیا"

(احکام شریعت صفحہ 27)

بلکہ صاحبزادہ ابوالخیر محمد زبیر بریلوی نے تو یہ انکشاف بھی کیا ہے کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی کے بعض عقیدت مند ان کو نبی کریم صل اللہ علیہ وسلم سے بھی بڑھ کر اور اعلی سمجھتے ہیں (دیکھئے کتاب مغفرت ذنب صفحہ 48)

ارشد چشتی صاحب کو چاہیے تھا کہ ان لوگوں کی اصلاح کریں لیکن موصوف حقیقت سے نہ صرف نظریں چرا رہے ہیں بلکہ اس کو بہتان کہہ رہے ہیں۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون**

## شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ پر ایک بہتان کا جواب

ارشد چشتی نے شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ان کے نزدیک اولیاء اللہ بھی پیغمبروں کی طرح معصوم ہوتے ہیں۔ (کشف القناع ج2 ص118)

جبکہ شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ باعتبار حفاظت غیبی کے دونوں کو ایک کہہ رہے ہیں یعنی جس طرح انبیاء کرام علیہم السلام کی حفاظت غیبی ہوتی ہے اسی طرح اولیاء اللہ کی حفاظت بھی غیبی ہوتی ہے۔ اس حفاظت کو انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے عصمت اور اولیاء کرام کے لئے حفظ کہتے ہیں۔ لیکن باعتبار صدور ان میں فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ معصوم سے گناہ کا ارتکاب ناممکن ہوتا ہے باوجود یہ کہ اس کو اس پر قدرت ہوتی ہے جبکہ محفوظ سے گناہ کا ارتکاب ممکن ہے اگرچہ واقع نہ ہو۔ یہ فرق اسلاف کی کتب میں کئی مقامات پر لکھا ہے۔

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی شیخ اکبر رحمہ اللہ کے حوالہ سے عصمت و حفاظت کا فرق بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

> ”حضرات انبیاء کرام ہر وقت بارگاہِ خداوندی میں مقیم رہتے ہیں، کسی وقت حق تعالیٰ شانہ کی عظمت اور جلال ان کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت انبیاء معاصی سے معصوم ہوتے ہیں اور اولیاء اللہ بارگاہ خداوندی میں آتے جاتے رہتے ہیں مگر مقیم نہیں، اس لیے اولیاء معاصی سے محفوظ تو ہوتے ہیں مگر معصوم نہیں ہوتے اور ”عصمت“ اور ”حفاظت“ میں یہ فرق ہے کہ اولیاء بسا اوقات مباحات اور جائز امور کو محض حظ نفس اور طبعی میلان اور خواہش کے لیے کر گزرتے ہیں مگر حضرات انبیاء کسی وقت بھی طبعی میلان اور حظ نفس کے لیے مباح اور جائز امر کا ارتکاب نہیں فرماتے۔ ہاں جب کسی شئے کی عند اللہ اباحت اور اس کا خدا کے نزدیک جائز ہونا بتلانا مقصود ہوتا ہے تب اس مباح کو استعمال فرماتے ہیں تاکہ امت کو نبی کے کرنے سے اس فعل سے اس کا مباح اور جائز ہونا معلوم ہو جائے۔“
>
> (تفسیر معارف القران ج1 ص146)

## عرس اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ

مولانا ساجد خان نقشبندی صاحب نے قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کیا تھا کہ وہ قبروں پر سجدے، طواف، چراغ جلانا، ان پر مسجد بنانا اور وہاں عرس کرنے کو ناجائز کہتے ہیں، چنانچہ قاضی صاحب رحمہ اللہ کی عبارت یوں ہے

"لا يجوز ما يفعله الجهال بقبور الأولياء والشهداء من السجود والطواف حولها واتخاذ السرج والمساجد عليها ومن الاجتماع بعد الحول كالاعياد ويسمونه عرسا"

ترجمہ: جاہل لوگ حضرات اولیاء و شہداء کے مزارات کے ساتھ جو معاملات کرتے ہیں، وہ سب ناجائز ہیں مثلاً ان کو سجدہ کرنا، ان کے گرد طواف کرنا، ان کی قبر پر چراغاں کرنا، ان کی طرف سجدہ کرنا، ہر سال بعد ان کی قبروں پر میلوں کا منعقد کرنا جس کا نام "عرس" ہے۔

(تفسیر مظہری ج 1 ص 485 مکتبہ رشیدیہ)

اس صاف اور واضح عبارت میں بھی ارشد چشتی نے کیڑے نکالنے شروع کر دیئے، کبھی اس واضح عبارت کو مغالطہ کہہ دیا، کبھی سجدہ تعظیمی و طواف غیر کعبہ کے عدم جواز کا قول احمد رضا خان سے دکھایا، کبھی قبور پر چراغ اور تعمیر مساجد کے حق میں صفحات سیاہ کئے تو کبھی عرس کے قول کو منکرات پر محمول کر کے جان بچائی۔

(دیکھئے کشف القناع ج 2 ص 120 تا 132)

لیکن جناب کی یہ ساری محنت بے سود ہے، وہ اس لئے کہ مولانا ساجد خان نقشبندی صاحب کا مقصد اس عبارت سے یہ تھا کہ جس چیز کو بریلوی حضرات وہابیت کہہ کر شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور ان کو بدنام کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں وہی باتیں ان سے پہلے کے اکابرین بھی کر چکے ہیں۔ اس بات کو خود ارشد چشتی نے ثابت کر دیا الحمد للہ۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے قبروں پر مساجد بنانے کو ناجائز لکھا جبکہ ارشد چشتی نے اس مسئلے میں قاضی صاحب رحمہ اللہ کی عبارت کو ماننے سے انکار کر دیا اور دیگر حضرات کے اقوال کو اپنا لیا۔ بالکل اسی طرح بریلوی حضرات کو اگر شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے کسی نظریے سے اختلاف تھا تو ان کو چاہیے تھا کہ علمی سنجیدگی سے اس سے اختلاف کرتے لیکن جو طوفان بدتمیزی انہوں نے شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف کھڑا کیا ہوا ہے وہ ہمارے قارئین سے بھی مخفی نہ ہو گا۔ بس اس طرح مولانا ساجد خان نقشبندی صاحب کی بات ایک بار پھر صحیح ثابت ہو گئی۔

عرس کے متعلق قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کی صرف یہی عبارت نہیں بلکہ ارشاد الطالبین میں اسی طرح واضح

طور پر قاضی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ

"اولیاء کی قبروں کو بلند کرنا اور ان پر گنبد بنانا اور عرس وغیرہ کرنا اور چراغاں وغیرہ کرنا سب کچھ بدعت ہے۔"

(ارشاد الطالبین اردو ص58)

ارشد چشتی صاحب! آنکھیں کھول کر اس عبارت کو پڑھ لیجئے اور شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ جیسے ولی اللہ کے لئے اپنے دل سے بغض نکال دیجئے۔

قارئین آپ نے دیکھ لیا کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ صاف طور پر نفس عرس کو ہی بدعت و ناجائز کہہ رہے ہیں نہ کہ منکرات کی وجہ سے، یہی وجہ ہے کہ آخر ارشد چشتی کو بھی لکھنا پڑا کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کا یہ قول:

"اگر نفس عرس کے متعلق ہے (جس کی حقیقت سیدی اعلی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے نقل کی گئی ہے) تو حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کا قول اس بارے میں ٹھیک نہیں ہے۔"

(کشف القناع ج2 ص131)

اس منافقت کو دیکھ کر مجھے ہنسی آتی ہے، جب عرس کے متعلق یہی باتیں کسی دیوبندی کی کتاب میں بریلویوں کو نظر آتی ہے تو گلے پھاڑ پھاڑ کر وہابی، گلابی، احمدی، گستاخ، بے ادب چلانا شروع کر دیتے ہیں لیکن جب بزرگوں سے یہی باتیں دکھائی جاتی ہے تو "درست نہیں" کہہ کر بے شرمی کا لباس اوڑھ لیتے ہیں۔

؎ خود پرستی ہو جس کی فطرت میں
وہ تو بے شرم بے حیا ہو گا

(جاری)